بازار سخن

آتش

عشق

رضا

دانش

جید

جاوید

مرتبہ

حضرت مہذب لکھنوی

مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ

قیمت ۲ روپیہ

مراثی میر

اُردو شاعری کے سلم الثبوت اُستاد میر تقی میر مرحوم نے اپنی زبان اور اپنے زمانے کے مروجہ انداز میں دیگر با اعتقاد شاعروں کی طرح مرثیہ گوئی کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ کافی تعداد میں مرثیے موجود ہیں جو ابتک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے اور مرحوم کا مطبوعہ کلیات اس بیش بہا ذخیرے سے ابھی تک خالی ہے۔ میر کے کلام کی تعریف کر کے پیش کرنا آفتاب کی گرمی کا تذکرہ کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہراہ شاعری کے اس با اعتبار رہنما نے اس موضوع پر بھی جو کچھ کہا ہوگا وہ ہماری تعریف سے بالاتر ہی ہوگا۔ انجمن محافظ اردو کو اپنی خوش قسمتی سے یہ قابل قدر ذخیرہ ایک پُر خلوص ہمدرد انجمن سے بغرض اشاعت دستیاب ہو گیا ہے جس کی کتابت شروع کرا دی گئی ہے اور انجمن انشاءاللہ ان جواہر پاروں کو عوام کے مطالعہ کے لئے شایع کر کے اُردو ادب میں ایسا بیش بہا اضافہ کرے گی جو اُردو ادب میں تاریخی حیثیت سے بھی نہایت اہم ہوگا۔ اور شاعرانہ دلفریبیوں میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہوگا۔ یہ نذر اشاعت انجمن کی ماہوار اشاعتوں سے علیحدہ ہوگی جس کی قیمت کا اعلان آئندہ کیا جائے گا۔ خریداری کا ارادہ رکھنے والے حضرات دفتر انجمن کو قبل از وقت مطلع فرما دیں تو بہتر ہوگا۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے

منیجر انجمن محافظ اُردو بکڈپو، منصور نگر۔ نیا محل۔ لکھنؤ

انجمن محافظ اُردو لکھنؤ کی آٹھویں ذہنی خدمت

اور

ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی چھٹی کڑی

بزم سخن

مرتبہ

حضرت مہذب لکھنوی

(صدر انجمن محافظ اُردو لکھنؤ)

شائع کردہ

سید حسن اکمال لکھنوی سکریٹری

انجمن محافظ اُردو منصورنگر لکھنؤ

قسط ماہ مئی ۱۹۵۱ء

قیمت فی جلد

صرف دو روپیہ

فہرست

۷۸۶

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھکر

میں بہ حیثیت صدر انجمن محافظ اردو اپنی انجمن کی اس مخصوص اشاعت مسمّٰی بہ "بازارِ سخن" کو فخرِ شعرائے ہندوستان شیدائے اُردو زبان ادیب عصر عالیجناب ڈاکٹر امرناتھ صاحب جھا (الٰہ آباد) بالقابہ سرپرست انجمن ہذا کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں

سیّد محمد میرزا مہذب عفی عنہ
یکم اگست ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مشک الگ گیسو الگ، رنگ ایک نکہت ایک ہے
صورتیں بدلی ہوئی ہیں اور حقیقت ایک ہے

یوں تو انسان سر سے پاؤں تک آئینہ کمالاتِ قدرت ہے لیکن اس کے بعض اوصاف ایسے ہیں جن میں دوسرے شریک ہیں اور بعض خصوصیات وہ ہیں جو اسی کی ذات کے لیے مخصوص ہیں۔ کھانا پینا، چلنا پھرنا، وہ صفتیں ہیں جو غیرِ انسان میں بھی پائی جاتی ہیں عقل میں بھی جانوروں کا کچھ نہ کچھ حصّہ ہے اچھی نسل کے گھوڑے اپنی عقل سے مالک کا برا وقت سمجھ کر اس کی ایسی خدمت کرتے ہیں کہ آدمیوں کو رشک آتا ہے تاہم دلی کیفیات و جذبات کے سلسلے میں جو فضیلت انسان کو حاصل ہے وہ نہ کسی مخصوص جانور کو نصیب ہے نہ کسی دوسری دنیا کے باشندے کو حتیٰ کہ فرشتے تک اس نعمت سے محروم ہیں۔ ممکن ہے اس مقام پر کوئی کہے کہ جانوروں کے دل بھی جذبات کے اثر سے خالی نہیں ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے بچوں کی آوازیں خوب پہچانتے ہیں اور ان کی حفاظت میں اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر تاریخی واقعہ ہے کہ عرب میں ایک اونٹ کو ذبح کیا گیا اور اس کے دل پر دو داغ نکلے، دیکھنے والوں کو فکر ہوئی کہ دل کے سے محفوظ مقام پر یہ داغ کس وجہ سے پڑے کیونکہ اگر مالک نے کسی وقت اس کو سزا بھی دی ہو تو اس کا اثر دل تک نہیں پہونچ سکتا، بالآخر تحقیق کرتے کرتے یہ راز معلوم ہوا کہ اُس کے دو بچے اس کے سامنے ذبح کر دیے گئے تھے۔

ایسے واقعات کے بعد بھی ماننا پڑے گا کہ انسان کے دل کو اپنے مخصوص احساسات و جذبات کی بدولت دوسری مخلوق پر نمایاں فضیلت حاصل ہے۔ بغیر کسی غور و فکر کے ہمارا دل بول اٹھتا ہے کہ اولاد کی محبت غیرِ انسان میں بھی سہی، داغ دل اس کے احساسِ غم کی نشانی سہی لیکن انسان کے علاوہ کسی کے دل میں یہ جذ

کہاں کہ کسی کی مصیبت سن کر رو دے، کسی کی تباہی یاد کر کے آنسو بہا دے، کسی کے انتظار میں ستارے گن گن کر رات گذار دے، کسی کی یاد میں دنیا کو بھلا دے۔ تصویر میں کسی کی تصویر کھینچ لے اور پھر اُس سے باتیں بھی کرنے لگے عمر بھر کسی کی بیوفائی کا تجربہ کرے اور پھر اُسی سے آس لگائے رہے، زندگی بھر جس نے جھوٹے وعدے کیے ہوں اُسی کے وعدے پر پھر اعتبار کر لے۔ ناامیدی سے مایوس ہو کر اپنی تربت خود بنا لے، اُمید کی جھلک پا کر کانٹوں پر لیٹ کے زندگی بسر کر دے۔ غرض یہ کہ ایسے لطیف جذبات کا وجود انسان کے دل کے سوا اور کہیں نظر نہیں آتا۔

جذبات کا وجود دل میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح پتھر میں شرارے کا اور جس طرح پتھر سے آگ ظاہر ہونے کے لئے کسی بیرونی ضرب کی ضرورت ہوتی ہے اُسی طرح دلی جذبات کے ظہور کے لئے کسی واقعہ یا حادثہ کی تحریک لازمی ہے۔ کسی مظلوم پر ظلم ہوتے دیکھ کر ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، ظالم کے حرکات پر نفرت کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، حسن و کمال سے محبت کا جذبہ لازمی ہے، تکمیل خواہش پر مسرت کا جذبہ فطری ہے۔ غرض دلی جذبات کے پیدا ہونے، ظہور میں آنے، یا ابھرنے کے لئے کسی پُراثر واقعہ کا مشاہدہ سبب ہوا کرتا ہے اور اس طرح گویا آنکھیں دلی تحریکات کا کھلا ہوا ذریعہ قرار پاتی ہیں، کسی کے گھر میں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھ کر انسان کا دل بیقرار ہو جاتا ہے اور وہ بلا کسی کے مشورے کا انتظار کئے ہوئے پرائی آگ میں پھاند پڑتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس تحریک جذبات کا سبب آنکھیں نہیں ٹھہرتیں بلکہ یہ خدمت کانوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے، حضرت سلیمانؑ کا سا اولوالعزم پیغمبر ہُدہُد کی زبان سے جناب بلقیس کے حسن کی تعریف سنتا ہے اور فوراً بیقراری کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ تخت بلقیس کے حاضر ہونے کے لئے دربار برخواست ہونے تک کا وقت گوارہ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ جناب آصف طرفۃ العین میں جناب بلقیس کو مع تخت شاہی دربار میں حاضر کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں تو دل کو قرار آتا ہے۔

تاہم آنکھوں اور کانوں کے واسطہ سے تحریک جذبات کی مثالیں ہم کو انسان سے پست تر یا بالاتر مخلوق میں بھی ملتی ہیں، ملائکہ آسمان نے دیکھا کہ خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے منجنیق میں رکھ کر آگ میں جلانے کے لئے ہلائے ہوا پھینکا تو یہ عصمت پرست گروہ بیقرار ہو گیا اور اپنی بے چینی بارگاہ احدیت میں ظاہر کئے بغیر

نہ رہ سکا۔ اس سے پہلے جب زبان قدرت نے خطاب فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو بھی سعادت کوش گروہ اپنی افضلیت کے جذبے سے بیتاب ہو گیا اور اس نادیدہ مخلوق کا شرف بجس کا وجود ابھی عالم مشیت ہی میں تھا محض شکر اگرچہ ادب طراز لہجہ میں سہی لیکن اپنی حقیت کا اظہار کر بیٹھا۔

بہرحال خالق آدم و بنی آدم نے انسان کو اپنی دوسری مخلوق کے مقابلے میں اکثر ایسی نعمتیں کرامت فرمائی ہیں جو اس کے لئے طرۂ امتیاز ہیں اور چونکہ اس طویل و بسیط بحث کی تفصیل ہمارا موضوع سخن نہیں اس لئے ہم صرف اسی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ انسان کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ اس کے جذبات کسی واقعہ کو دیکھنے یا سننے ہی کے محتاج نہیں ہیں بلکہ وہ صرف تنہائی میں تصور سے بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ ایک معرفت والا انسان قبر کے ہولناک منظر کا تصور کر کے رونے لگتا ہے، ایک ماں اپنے بیمار بچے کے ناگوار انجام کا قیاس کر کے جذبۂ حزن وملال کے اثر سے شل ہو جاتی ہے۔

تصور کے ذریعہ پیدا شدہ جذبات بالعموم کسی حقیقت، یا کم سے کم حقیقت نما حالت وکیفیت کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ کسی مسجد کے مینار کی بلندی سے زمین کی طرف دیکھ کر گرنے کا تصور اور اس کے انجام کی ہیبت ایسا دل ہلا دیتی ہے کہ دوبارہ نظر جھکانے کی ہمت نہیں پڑتی لیکن عرب کے ریگستان میں اگر کسی قطب فنا سے گر کر مرجانے کے تصور سے ڈرایا جائے تو ایسا تصور اپنی تاثیر میں شاید کامیاب نہ ہوگا۔ نیز تصور کے ذریعہ پیدا شدہ جذبات میں ایک خاص کمی یہ بھی ہوتی ہے کہ ایسا جذبہ ایک وقت میں ایک ہی پیدا ہوا کرتا ہے اور وہ بھی اختیار اور ارادے کی حدوں سے گذرا ہوا۔ تاہم ان جذبات کے ابھرنے یا دبانے کا واحد ذریعہ انسان کی عقل اور قدرت کی تائید کا پیدا کیا ہوا اگر ہو سکتا ہے تو وہ شعر ہے۔

شعر یا نظم ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ تحریک جذبات کے جملہ دیگر ذرائع سے مکمل مستغنی ہے۔ نہ کسی واقعہ کا آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت، نہ کسی حادثہ کو کانوں سے سننے کی محتاجی، نہ کسی کیفیت کو ذہنی حصار میں اسیر کرنے کی مجبوری اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ذیلی جذبات پر اپنی اختیاری حکمرانی نظر آتی ہے۔ عیش ونشاط کی کیفیات سے لطف اندوز ہونے کو دل چاہا کسی مثنوی کا مطالعہ شروع

کر دیا۔ ترک جھونک کی تفریح سے دل بہلانا چاہا، کر لی واسوخت اٹھالی۔ یہاں تک کہ نہ نے پر طبیعت آمادہ ہوئی تو ایک مرثیہ چپکے چپکے پڑھ ڈالا۔ اور اگر کوئی خاص مقصد نہ بھی ہو اور صرف وقت گذارنا اور دل بہلانا منظور ہو تو بھی کسی خوشگو شاعر کا دیوان لے لیا اور دنیا کے خشک و تر کی سیر کر ڈالی۔

قصیدہ، مثنوی، واسوخت سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف غزل اور مرثیہ کی جامعیت پر اگر غور کیا جائے تو دیکھئے جذبات میں تلاطم پیدا کرنے کے لئے انھیں دو اصناف سخن میں ایسے گوناگوں حالات اور ایسے دلنواز و دلخراش کیفیات پائے جاتے ہیں کہ بقیہ جملہ اصناف سخن کے مقابلہ میں انھیں دو کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ مرثیہ جذبات غم اور رزمیہ شاعری کا بہترین اعلیٰ ترین بلکہ اُردو زبان میں واحد ترجمان و ذریعہ بیان ہے۔

انجمن محافظ اُردو نے جملہ اصناف سخن میں مرثیہ ہی کو برائے اشاعت منتخب کر کے ایک بہترین صنف سخن کی اشاعت کا بار اٹھا لیا ہے مزید برآں غیر مطبوعہ کلام شائع کرنے کی ذمہ داری لے کر اُردو ادب میں ایسا بیش بہا اور قابلِ غور اضافہ کرنے کا عزم کیا ہے جس کی قدردانی ارباب ادب کا فرض اولیں ہونا چاہیئے ہے۔ نیز وہ قابل فخر و نایاب کلام جو اپنے وجود سے آج کی گھڑی تک قعر گمنامی میں رہ کر کم بیش تلف ہوا جا رہا تھا اس کی خاطر خواہ بقا کا انتظام کر کے اس کے مصنف کو بھولے ہوئے دلوں یا ناواقف نگاہوں سے روشناس کر کے جو خدمت تاریخ زبان و ادب اُردو کی انجام دی ہے اس کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔

مرثیے کی جامعیت کی تفصیل صاحبان نظر کو بار بار یاد دلانے کی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح غزل کی ہر دلعزیزی اور اس کا جامع کیفیات و مجموعۂ جذبات ہونا بھی ہر خاص و عام کے اچھی طرح دلنشین ہے جس کی وجہ سے اس مسئلہ پر بھی اختصار ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے بخوبی واقف ہیں کہ ایک غزل کے چند شعر کیسے مختلف و متضاد کیفیات کے حامل ہوتے

ہیں اور جذبات کی دنیا میں کیا صبر شکن تلاطم برپا کر دیتے ہیں۔ مطلع میں بے ثباتی دنیا کا ذکر آ جاتا ہے اور حسنِ ادا کا تیر اپنے نشانے پر بیٹھ جاتا ہے تو ایک خلوت میں مطالعہ کرنے والے کا دل دنیا کے عیش و آرام سے بے نیاز، اس کے ظاہری جاہ و جلال سے بے پرواہ اور اس کی روح بہار دوں سے مستغنی ہو جاتا ہے لیکن فوراً ہی دوسرا شعر پڑھتا ہے جس میں معشوق کے حسن کی تعریف نظم ہوتی ہے تو ایک فرضی صورت، چاند سے زیادہ اجلی، چاندنی سے زیادہ روشن، نسیم سے زیادہ ٹھنڈی، بچوں سے زیادہ بھولی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ کانوں کے آویزے دل میں تر و تازہ ہو جاتے ہیں، ناک کی کیل شیشۂ دل میں کھٹک پیدا کر دیتی ہے، چشم و ابرو کے اشارے متاعِ دل کی نذر کے خواہاں ہوتے ہیں، محو دیدار جان ہتھیلی پر رکھ کر بڑھتا ہے، راستے میں غزل کے دوسرے شعر پر نظر پڑ جاتی ہے معشوق کی بے وفائی کا تذکرہ ہوتا ہے، عرض مدعا کا جواب خاموشی سے دیا جاتا ہے، منتوں پر منہ پھیر لیا جاتا ہے، دل نذر دیا جاتا ہے تو ٹھکرا دیا جاتا ہے، رقیب سچا سمجھا جاتا ہے، اپنی کوئی بات قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتی، کوئی ان کے گھر جا نہیں سکتا، وہ کسی کے گھر میں آئیں گے نہیں، راستے میں رکنا بے محل ہے، تخلیہ میں بات ہونا نصیب نہیں ہو سکتا، قاصد جاتا ہے قتل کر دیا جاتا ہے، جواب کے انتظار میں زندگی ختم ہو جاتی ہے پیغام آتا ہے تو رقیب کے ہاتھ آتا ہے، وعدہ ہوتا ہے تو حشر میں ملنے کا — غرض یہ سب باتیں نہیں بلکہ ایسا ہی کوئی مضمون اس شعر میں خوبی کے ساتھ پُر اثر الفاظ میں موزوں ہوتا ہے جس پر نظر کر کے محبت کی دنیا سے دل ہٹ جاتا ہے بلکہ اس میدان میں قدم رکھنے والوں کی عقل پر افسوس ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر شعر ایک نئی کیفیت کا حامل ہوتا ہے اور نئے جذبات پیدا کرنے میں بجلی کا سا اثر رکھتا ہے۔ اگر مصنف سحرِ الفاظ کے سحر کا عامل ہے اور ان کے اثرات کے مختلف درجات سے واقفیت رکھتا ہے تو اپنے موزوں فقروں کا وزن شیشۂ دل کو چکنا چور بھی کر سکتا ہے اور جہازِ دل کا لنگر بھی بن سکتا ہے۔

بہرحال مرثیے کی ماہانہ پانچ اشاعتوں کے بعد ہم نے اساتذۂ فن کے غیر مطبوعہ غزلیات کا یہ پیشِ نظر مجموعہ نہایت کوشش سے فراہم کر کے شائع کیا ہے جو باعث تفریحِ خاطر ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی گردوں کو زندہ کرنے کی کوشش ہمارے لیے باعثِ فخر بھی ہے۔



مولوی بندہ کاظم صاحب جاوید لکھنوی

حیاتِ جاوید

حضرت جاؔوید مرحوم کا اصلی نام سیّد محمد کاظم صاحب تھا لیکن خدا جانے کس وجہ سے عام لوگوں میں آپ بندہ کاظم کے نام سے مشہور ہو گئے اور ایسا مشہور ہوئے کہ بزرگوں کا رکھا ہوا نام کسی کو یاد ہی نہیں رہا۔ سنا ہے کہ مرحوم کو اپنے نام میں یہ تحریف بیحد ناگوار تھی لیکن اس کا علاج بھی ان کے امکان سے باہر تھا۔

حضرت جاؔوید کا سلسلۂ نسب ہندوستان کے مجتہد اعظم غفرانمآب علیہ الرحمہ تک یوں پہونچتا ہے۔ مولوی بندہ کاظم صاحب جاؔوید ابن سید محمد جعفر صاحب قبلہ ابن صفوۃ العلماء مولوی سید محمد تقی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ ابن سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب رضوانمآب ابن غفرانمآب مولوی سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ۔ اور اس طرح آپ لکھنؤ کے مشہور خاندان اجتہاد کے ایک فرد تھے۔

حضرت جاؔوید کے دیکھنے والے، ان کے سننے والے نیز ان کے پرخلوص ملنے والے ابھی بکثرت موجود ہیں۔ اس بات میں سب کو اتفاق ہے کہ مرحوم کی علمی اور فنی استعداد نہایت وسیع اور مستحکم تھی۔ یوں تو جملہ اصنافِ سخن پر قدرت تھی لیکن مرثیہ گوئی پر طبیعت خاص طور سے مائل رہی اور یہ شغل مرتے مرتے جاری رہا۔ غزلیں بھی بہت کہیں اور اپنے زمانے کے رنگ کے موافق بہتر سے بہتر کہیں۔ اپنے زمانے کے غزل گو حضرات میں بہت کافی وقار تھا۔ مرثیت کے ثبوت میں شاگرد اس قدر کثرت سے تھے کہ آج تک کم کسی استاد کو کم نصیب ہوتے ہیں۔ شاگردوں کی طویل فہرست دینے کی ہمارے صفحات میں گنجائش نہیں لیکن چند نام حسب ذیل ہیں:۔

نواب سید سرفراز علیخاں صاحب شاکر رئیس ہماں شہ، سید وزیر علی صاحب عبرت، چھنگا صاحب حسین مرحوم مولانا سید وجاہت حسین صاحب ناظم مرحوم مدرس سلطان المدارس لکھنؤ، حکیم سید علی صاحب آشفتہ (مرحوم)

تدرج آل محمد مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی سید حسین صاحب بیتاب لکھنوی۔ لڈن صاحب بہادر لکھنوی۔ سید محمد عباس صاحب جنوں لکھنوی۔ نواب محمد عابد علی خاں صاحب صولت لکھنوی)۔ سید سجاد حسین صاحب تمنا لکھنوی نواب باقر علیخاں عرف زین صاحب داد مرحوم لکھنوی۔ نواب سکندر آغا صاحب سکندر لکھنوی حکیم سید محمد عباس صاحب برق (مقیم دکن)

حضرت جاوید مرحوم لکھنؤ کے باہر مختلف مقامات پر مرثیہ پڑھنے کے سلسلے میں تشریف لے جاتے رہے۔ جعفرآباد، پنڈراول، جالندھر میں بکثرت مجلسیں پڑھیں اور حیدرآباد دکن کی مجلسیں تو ایسی معرکہ آرا پڑھیں کہ ان کی تفصیل کے لئے متعدد صفحات درکار ہیں۔

حضرت جاوید کے آبائی مکانات ایک امام باڑہ اور ایک مسجد سرائے معالیخاں لکھنؤ میں تھے جن میں سے مکانات تو ملکہ وکٹوریہ کے دور حکومت میں سڑک میں آگئے تاہم امام باڑہ کے کھنڈر اور مسجد کے آثار ابھی تک دکھائی دیتے ہیں۔ جوانی کے زمانے سے حضرت جاوید مرحوم نے پٹ نالے پر حکیم سید باقر حسین صاحب کے ایک مکان میں سکونت اختیار کی اور بقیہ زندگی وہیں بسر کی۔ درمیانی حصہ عمر آسائش میں بسر ہوا لیکن آخر زندگی میں پریشانیاں رہنے لگی تھیں اور ہمارے خیال میں صاحب کمال ہونے کی اس سے زیادہ قوی دلیل اور کوئی نہیں ہے کیونکہ سلف سے آج تک صاحبان کمال کو مالی مشکلات سے نجات کبھی نہیں ہوئی۔

حضرت جاوید نے ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ کو انتقال فرمایا اور امام باڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مذکورہ بالا حالات اور حضرت جاوید مرحوم کے یہ غزلیات جو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں وہ جناب مولوی سید آغا مہدی صاحب قبلہ سے جو اسی خاندان کی قابل قدر فرد ہیں دستیاب ہوئے ہیں جس کے لئے انجمن محافظ اردو تہ دل سے ان کی شکرگزار ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب از کلامِ حضرت جاوید لکھنوی

غزلیات

۱

قاتل سے مل کے آخر اس کے اثر نے مارا — مجھ کو ہنسی ہنسی میں زخمِ جگر نے مارا
امید کا برا ہو سمجھا کہ آپ آئے — بے وجہ شب کو کھل کر زنجیرِ در نے مارا
ہم جس کو عمر سمجھے مدت ہی اس کی کیا تھی — آنا نہ کہنے پائے کس فتنہ گر نے مارا
ہنس کے کہا کہ خط ہے پھر یہ کہا کہاں ہے — پہلے مجھے جلایا پھر نامہ بر نے مارا
وہ دل جلانے والا تربت پہ شمع لایا — لی بھی خبر اسی نے جس بے خبر نے مارا

۲

کہتا ہوں کہ حالِ دلِ مضطر نہ کہوں گا — قسمت جو بگڑ جائے تو کیونکر نہ کہوں گا
پژمردگی دل کا بھی اب حق بہ طرف ہے — میں اس کو کلی کہہ کے گلِ تر نہ کہوں گا
دھمکاتے ہیں مجھ کو کہ وہاں بھی نہ ملوں گا — اب ان کو کبھی فتنۂ محشر نہ کہوں گا
کچھ یاد نے غیروں کی دیئے ہیں اسے جھگڑے — دل کو کبھی اللہ کا بھی گھر نہ کہوں گا
قسمت میں جو لکھا ہے وہ سب پڑھ لیا میں نے — دو چار لکیروں کو تو دفتر نہ کہوں گا
چہرے کی مرے یاس ذرا دیکھتے رہنا — امید پہ حالِ دلِ مضطر نہ کہوں گا

افسانۂ ماتم مرے مرنے سے ہوا ختم — اتنا تو کہوں گا جو بڑھا کر نہ کہوں گا

—— ٣ ——

تم وہی ہو تمھیں پہچان گیا — دل گیا ہاتھ سے پر جان گیا
تیر کھینچا تو لگا یا بھی ضرور — کوئی آیا کوئی مہمان گیا
بعد مدت کے ملا تھا لبِ حشر — پھر بھی ظالم مجھے پہچان گیا
صبح کا چاک گریبان ہوا — کوئی دنیا سے پُر ارمان گیا
کہیں چھپتی ہے محبت کی نگاہ — میری آنکھوں سے وہ پہچان گیا
تھا وہ ناواقفِ آثارِ سحر — رنگِ رخ اڑنے سے پہچان گیا
یہی کوچہ ہے ترا او قاتل — خون کی بو سے میں پہچان گیا
کیا کہوں آپ کو کیا سمجھا ہوں — توبہ کرتا ہوں کہ ایمان گیا
آج اوس در پہ گئے پھر جاوید — واہ وہ عہد وہ پیمان گیا

—— ٤ ——

خالِ رخ بھی فلکِ حسن کا تارا ٹھہرا — روشنی بخش چراغ ید بیضا ٹھہرا
گرہ تارِ نفس اشک ہمارا ٹھہرا — گھٹ کے قطرہ ہوا بڑھنے پہ یہ دریا ٹھہرا
ان کے چلو میں لہو میرے جگر کا ٹھہرا — بند کوزے میں ہوا جب تو یہ دریا ٹھہرا
دل کو واپس جو کیا درد کا مارا ٹھہرا — اب تمھارا نہ یہ ٹھہرا نہ ہمارا ٹھہرا
رکھ کے اک ہاتھ جو سینے پہ اسے کھینچ لیا — تیر نکلا بھی ترا دل بھی ہمارا ٹھہرا
جس کو دیکھو مرے بالیں سے نہیں ہٹتا ہے — دم نکلنا نہ ہوا کوئی تماشا ٹھہرا
مرتے دم اور تو اتنا بھی نہ آیا کوئی کام — خیر کچھ دیر تو ماتھے پہ پسینا ٹھہرا
رہ گیا خون رگوں میں نکل آئے آنسو — ایک دریا جو بڑھا دوسرا دریا ٹھہرا

دل کی بیتابیوں پر آگیا رونا جاوید   مشکلوں سے جو کسی طرف میں پایا ٹھہرا

(۵)

مژدۂ ذبح کا سننا مری تقدیر میں تھا   روح افزا اثرِ آوازِ پرِ تیر میں تھا
اُن کے ہاتھوں سے اجل آئی نہیں جان آئی   خوب تھا خوب تھا جو کچھ مری تقدیر میں تھا
آمد شد نہ نفس کی نہ رگِ دل میں طپش   اک خموشی کے سوا کیا مری تصویر میں تھا
کہیئے اب حضرت جاوید کہ جامہ ہی نہ زیب   آپ میں آج وہ ہی جو کہ کبھی میر میں تھا

(۶)

رنگ اشاروں میں بدل جاتا ہے میخانے کا   گردشِ چشم سیہ دور ہے پیمانے کا
دور پہونچا ہے اثر شمع کے جل جانے کا   خون سوکھا ہوا مدت سے ہے پروانے کا
نزع کے وقت ہوا پھر وصل کا وعدہ جھوٹا   ابھی موقع ہے مرے سر کی قسم کھانے کا
ابتدا سے اورِ آموزِ جنوں تھا میں تو   ہر ورق صفحۂ غم تھا میرے افسانے کا
آسماں بن گیا آہوں کا دھواں ہو کے بلند   ایک پردہ تو اٹھا ہے یہ خانے کا
لوگ سمجھے ہیں جسے دفترِ ذکرِ مجنوں   ایک سادہ سا ورق ہے مرے افسانے کا
وہ اُدھر آتے ہیں اور موت ادھر آتی ہے   نہ تو جینے کا مزا اب ہے نہ مر جانے کا
لاش اٹھانے کے وہ اقرار پہ کھاتے ہیں قسم   ہاں دلِ زار یہی وقت ہے مر جانے کا
ایک ہی دن میں غزل بھیجدی کہہ کر جاوید   پاس تھا حضرت آزاد کے فرمانے کا

(۷)

دل کے پہلو میں ہے گہرا زخم ان کے تیر کا   دید کے قابل ہوا اب ایک رُخ تصویر کا
اس طرف جذبِ محبت اُس طرف جوشِ جنوں   رنگ باقی رہ گیا یا اُڑ گیا تصویر کا
جب توقف کر کے یہ لکھا کہ مشکل ہے وصال   رہ گیا مُنھ دیکھ کے میں کاتبِ تقدیر کا

حشر تک جس میں اسیری کا رہے اک سلسلہ   قبر میں رکھ دیجیے ٹکڑا کوئی زنجیر کا
کوئی اب اُس کے تڑپنے کی نہ پوچھے مجھ سے حد   جس کے ٹوٹے دل میں پیوست ہو پیکاں تیر کا
دے دیا نقش و نگارِ دہر پر باریک خط   مل گیا سادہ ورق جیسے تری تصویر کا
شادی و غم کا مرقع کھنچ گیا یہ دوسرا   وہ مرا رونا وہ ہنسنا آپ کی تصویر کا
کیا ضرورت آئنہ ترچھی نظر سے دیکھنا   دیکھ لو پہلے کہ آخر رخ کدھر ہے تیر کا
سب رگیں ٹوٹی ہوئی جاوید اب کہتی ہیں گو   دم بڑی مشکل سے نکلا عاشقِ دلگیر کا

(۸)

سو جانے کو خوبیِ مقدر نہ کہوں گا   چھوٹی سی لحد کو تو کبھی گھر نہ کہوں گا
مضمون اگر اک حق ہے اربابِ نظر کا   آنکھوں کو بچھانے کو تو بستر نہ کہوں گا
بھیجا ہوا آیا ہے کوئی لے کے خطِ شوق   کافر بھی نہیں ہوں کہ پیمبر نہ کہوں گا
افسانۂ ماتم کی گراں قدر ہیں نقطیں   اکبار یہ سن لو کہ مکرر نہ کہوں گا
مر جانے پہ بھی ہاتھ مرے سینے پہ ہوں گے   یوں کہنے کو حالِ دلِ مضطر نہ کہوں گا
یہ حسنِ خدا ساز بڑی چیز ہے جاوید   ابروئے کشیدہ کو میں خنجر نہ کہوں گا

(۹)

گلہ ہے سوزِ غم کا، خونِ دل یوں بھی جلا ہوگا   وہ چھالا بن گیا ہوگا جو آنسو رہ گیا ہوگا
تھمے ہوں گے جو آنسو خون دل کا ہو گیا ہوگا   کوئی دریا گھٹا ہوگا کوئی دریا بڑھا ہوگا
مرے مرنے سے واقف ہو زمانہ تو عجب کیا ہے   کسی نے کہہ دیا ہوگا، کسی نے سن لیا ہوگا
ابھی تو آگ سینے میں کہیں کم ہے کہیں زائد   اگر مل جائیں گے آپس میں سب چھالے تو کیا ہوگا
ہمیں سے پوچھ لو کیسے ہو تم اور حسن کیا ہوگا   اگر آئینہ کو دم بھر نہ دیکھو گے تو کیا ہوگا
کہاں تک مر کے دنیا کی ہوا کھایا کریں گے ہم   جنازہ کیا نہ اُٹھے گا، نہ آؤ گے تو کیسا ہوگا

۱۰

وہ شفق کے نام سے آخر نمایاں ہوگیا — آسماں پر جلوہ گرِ خونِ شہیداں ہوگیا
اشک تھے آنکھوں میں، آنکھوں میں لہو تھا قلب کا — آج کی شب مجھ سے اک کارِ نمایاں ہوگیا
غنچے چٹکے میں نے کی فریاد جب آئی بہار — چاک اُدھر ان کا اِدھر میرا گریباں ہوگیا
سیر کرتے کرتے اک دن ہم بھی مر کے رہ گئے — زہر آخر سبزۂ گورِ غریباں ہوگیا

۱۱

گردش میں کیوں نہ آئینہ ہو روزگار کا — چلو میں خوں لئے ہوں دلِ بے قرار کا
ہے یہ مزارِ کشتۂ دیدارِ یار کا — بیٹھیں اُدھر جدھر ہو سرہانا مزار کا
محشر کی بھی امید پہ بیکار جان دی — کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا
آنی ہے کس کی زردی ہمیں یاد کر لیں دوست — شاید کبھی پھر آئے زمانہ بہار کا
اب کا نہیں، فشار کے پہلے کا ذکر ہے — تم تھے جدھر اُدھر تھا سرہانا مزار کا
شانہ ہلا کے قبر میں اُس نے یہ دی خبر — لے آج خاتمہ ہے شبِ انتظار کا
بھڑکی ہوئی تھی سرخ گلوں سے چمن میں آگ — دامن نہ جل گیا ہو نسیمِ بہار کا
آئے ہیں لے کے غیر کو وہ پوچھنے مزاج — کیونکر کہوں کہ شکر ہے پروردگار کا
کہلا دیا کسی سے جوانی کے زور نے — یوں تیر کھینچتے ہیں دلِ بے قرار کا
جاذبہ کھو چکے دلِ داغی کو آج ہم — اک پھول کم ہوا چمنِ روزگار کا

۱۲

باغباں اب بھی نہ دیکھوں سوئے گلزار کیا — ہوں رہا ہو کے مصیبت میں گرفتار کیا
قید ہر طرح کی صیاد نہیں اُٹھنے کی — میں قفس سے بھی نہ دیکھوں سوئے گلزار کیا
سخت حیراں ہوں کہ سینے سے مرے تیر اُس نے — کھینچے دو چار تو رہنے دیے دو چار کیا

بازرخن
نقش پا تھے، یہ آنسو تھے، یہ آہوں کے نفس — گر کے بستر سے نہ اٹھے تیرے بیمار یہ کیا

—— ۱۳ ——

جب اندھیری رات میں آیا خیالِ روئے دوست — مل گئی صبحِ قیامت سے شبِ گیسوئے دوست
شانہ کش ہے غیر آئینہ ہے ہمدوشِ روئے دوست — کس شکنجہ میں کھنچی ہے قسمتِ گیسوئے دوست
اب قیامت سے خبر کردو کہ آئے دیکھنے — جس قدر بڑھنے کی حد تھی بڑھ چکے گیسوئے دوست
رات کو میں کروٹیں لینے میں تڑپا اور بھی — جس طرف دل تھا اسی پہلو سے آئی بوئے دوست
پوچھتے ہو اس سے اے جاوید لطفِ زندگی — جس کے شانہ پر نہ بکھرے ہوں کبھی گیسوئے دوست

—— ۱۴ ——

جلا چراغ کا دل غیر کی بھی مشکل پر — ضیا ہے ساتھ مسافر کے خود بھی منزل پر
دکھائی دیتا تھا یوں جیسے دور کا تارا — پڑا تھا رات کا پردہ چراغِ منزل پر
میں اس کے تیر کو دشمن کہوں کہ دوست کہوں — جو خون پیتا ہے وہ مہرباں ہے دل پر
نہیں ہے اس کی ضرورت کہ تیر ہی وہ لگائیں — ادھر کمان میں جوڑا ادھر پڑا دل پر
ہیں بے شمار جو قبریں بتا رہی ہیں پتہ — کہ اتنی جانیں تصدق ہیں کوئے قاتل پر
چھری فلک کی پھری یوں کہ خون ہو گیا لال — شفق ہنسی تھی جو سرخیِ خونِ بسمل پر

—— ۱۵ ——

کیا جل جل کے کیوں احسان میرے قلبِ سوزاں پر — ہنسی ہے صبحِ غم کیا کیا چراغِ شامِ ہجراں پر
قیامت تک لہو باقی رہا قاتل کے پیکاں پر — نہ دھبا بے وفائی کا رہا خونِ شہیداں پر
جلے ہیں سرد آہیں کھینچتے گورِ غریباں پر — جھکے جاتے ہیں ہم خود بھی چراغِ زیرِ داماں پر
لہو نے اک سہارا پا کے میرا ساتھ بھی چھوڑا — مبارک ہو رہے گا آج سے قاتل کے داماں پر
اسی کا امتحاں کر لو کہ پہلے کون اٹھتا ہے — میں رکھوں آگ پر تم ہاتھ رکھو قلبِ سوزاں پر

قبائیں اُن کے آنے کی خوشی میں تنگ ہو گئیں　　ہنسی تھا جلوہ آئی حسرتِ گل ہائے خنداں پر

۱۶

واہ اپنوں کی نگاہیں پھر گئیں　　تا بہ لب آ آ کے آہیں پھر گئیں
منہ کو پھیرا راحت و آرام نے　　ہے ستم سب کی نگاہیں پھر گئیں
دل ہوا آخر اسیرِ عشقِ زلف　　چلتے چلتے سیدھی راہیں پھر گئیں
خاک میں مجھ کو ملانے آ گئے　　دوستوں کی یوں نگاہیں پھر گئیں
چشمِ ساغر نے اشارہ کیا کیا　　کیوں یہ مستوں کی نگاہیں پھر گئیں
اُن کے دل کو کچھ خبر ہوتی نہیں　　عرش تک بیکار آہیں پھر گئیں
مرتے دم برگشتگیِ بخت سے　　دونوں آنکھوں کی نگاہیں پھر گئیں
بس بس اے چشمِ فسوں ساز الحذر　　اب تو عالم کی نگاہیں پھر گئیں

۱۷

تم نہیں مہمان تو کچھ بھی باعثِ شادی نہیں　　نیست سینے میں وہ دل اور دل میں آبادی نہیں
جرم ہے اک خاص یہ کہنا کہ فریادی نہیں　　قلبِ مردہ فیضیابِ لذتِ شادی نہیں
موت سے بڑھ کر زمانے میں کوئی شادی نہیں　　زندگی میں روح کو حاصل یہ آزادی نہیں
ہر مکاں کو اک مکیں بھی مفت کا ہاتھ آ گیا　　حیرت افزا جو ہو قبروں کی وہ آبادی نہیں
کونسی وہ حد ہے جس میں رحم بھی اک ظلم ہے　　وہ چھری کو روکتے ہیں کیا یہ جلادی نہیں
نیند جن کی اڑ گئی تھی سوئے وہ بھی چین سے　　میں جو فریادی نہیں تو کوئی فریادی نہیں
اپنے دامن میں چھپائے لیتی ہے صحرا کی گرد　　جو اڑا ہے رنگ رو اس کو بھی آزادی نہیں
پچھلی راتوں کے وہ سنائے وہ دل کا ڈوبنا　　کونسی راتیں ہیں فرقت کی جو فریادی نہیں
موت کو اللہ رکھے ہے عجب اس کا بھی دم　　قیدیِ زنداں کو کب امید آزادی نہیں

شمع بھی خاموش دل بھی چپ ہے بالیں پر مرے
مرنے والا مر گیا اب کوئی فریادی نہیں

میں سمجھتا ہوں ہنسی بھی اُس کی ہے پیغامِ موت
خندۂ زخمِ جگر بھی باعثِ شادی نہیں

اُڑتے اُڑتے کرۂ جاں میں گیا میرا غبار
میں جسے سمجھا تھا بربادی وہ بربادی نہیں

اب مری بگڑی ہوئی تصویر بن جائے کہیں
صفحۂ عالم میں کیا اتنی جگہ سادی نہیں

شادی و غم کا مرقع اہلِ عالم دیکھ لیں
وہ ہیں بالائے تہِ گریاں تمنّا یادی نہیں

حضرتِ جاویدؔ ہوں اُن کی نگاہِ لطف میں
ہم اُدھر کو بیٹھتے ہیں کیا یہ استادی نہیں

—— ۱۸ ——

اُٹھنے میں اب نقاب کے تاخیر بھی نہیں
تم کچھ کہو بُری مری تقدیر بھی نہیں

اتنے دنوں سے بات نہیں کی ہے آپ نے
اب مجھ کو یاد لذّتِ تقریر بھی نہیں

اُٹھنے نہ دے جو میرے قدم کو سوئے عدم
اتنی گراں تو پاؤں کی زنجیر بھی نہیں

میں اور ہوں فراق میں چپ یہ محال ہے
جو ہے خموش وہ مری تصویر بھی نہیں

بند نقاب کھول رہے ہیں وہ رات کو
اب چاند نکلنے میں تاخیر بھی نہیں

تھا خواب یا خیال وہ جو کچھ تھا خوب تھا
اب جاگ اُٹھے تو سامنے تصویر بھی نہیں

جاویدؔ خون ہو کے کلیجہ بھی بہہ گیا
پہلے جو تھی وہ اب کششِ تیر بھی نہیں

—— ۱۹ ——

مجھ کو جینے سے تمنّا ابھی نہیں
اور پھر [illegible] بھی [illegible] بھی نہیں

مجھ کو انسان کون کہتا ہے
[illegible] دل میں مدعا بھی نہیں

یوں ہی کہنے کو بن گئے عاشق
[illegible] بھی نہیں

موت کیوں آ رہی ہے ملنے کو
درد دل [illegible] ابھی اُٹھا بھی نہیں

مدعا دل کا اُن سے کہہ لیں گے
[illegible] بھی نہیں

تم گلے سے ملے تو دل تڑپا ہم دوا درد تو دوا بھی نہیں
جھلملاتا ہے صبح کا تارا اب تو جینے کا آسرا بھی نہیں
درِ دلدار پاؤں کیا جاوید کہیں دو چار نقش پا بھی نہیں

(۲۰)

تہ و بالا قفس کو کیوں دمِ فریاد کرتے ہیں ہمیں برہم نظامِ عالمِ ایجاد کرتے ہیں
جگر کے زخم ہنستے ہیں جو تم کو یاد کرتے ہیں لہو کی صاف بو آتی ہے جب فریاد کرتے ہیں
زمانہ اپنی آزادی کا شاید یاد کرتے ہیں گرفتارِ قفس کس درد سے فریاد کرتے ہیں
ہرے ہوتے ہیں رہ رہ کے اسی سے زخم سینے کے بجھا تھا زہر میں جو تیر اسی کو یاد کرتے ہیں
تلون اس کو کہتے ہیں اسی کا نام ہے بچپن ابھی قیدی بنایا تھا ابھی آزاد کرتے ہیں
مکاں اپنا لحد اپنی کسی کا کیا اجارہ ہے اسے برباد کرتے ہیں اسے آباد کرتے ہیں
اسی امید پر کچھ روز شاید اور جی جاؤں اسی کو دیکھ لوں وہ جس سے دل کو شاد کرتے ہیں
نگاہِ یاس نے کھینچی تھیں تصویریں وہ عبرت کی چھری جس پر پھراتے ہیں مجھے وہ یاد کرتے ہیں
فشارِ قبر بس بن بے زبانوں نے پڑھا کلمہ لحد میں ہم تو چپ ہیں استخواں یاد کرتے ہیں
ہماری عمر ساری کٹ گئی اتنے سہارے پر یہی سنتے چلے آئے کہ اب آزاد کرتے ہیں
اجازت دفن کی دی ہے تو اُن سے عرض کرتے ہیں یہاں کی آپ کیوں دو گز زمیں یاد کرتے ہیں
صدا دل کے دھڑکنے کی جو آئے جاوید رنگیں سمجھ لیں یہ کہ یوں بھی نازاں فریاد کرتے ہیں

(۲۱)

چمک جاتے ہیں جوہر اور خنجر کی روانی میں خدا کی شان لاکھوں کشتیاں تھوڑے سے پانی میں
میں اپنے چند اشکوں کو ملا دیتا ہوں پانی میں کمی ہونے نہیں پاتی ہے دریا کی روانی میں
طلسمِ آبلہ آخر کو ٹوٹا دارِ فانی میں لہو میں یہ لہو تھا اور پانی تھا یہ پانی میں

نظر کا خوف ہے مجھ کو پسینہ پونچھ ماتھے کا   ارے ظالم کہیں چلتے ہیں موتی فصلِ جوانی میں
دلِ بیتاب و مضطر بس جو گھبرایا ادھر آیا   وہ عالم ہے کہ جو ہوتا ہے دریا کی روانی میں
رگیں سب خون دیتی تھیں اگر اک فصد کھلتی تھی   لہو میں کس غضب کا جوش تھا عہدِ جوانی میں
چراغِ داغِ دل کی ابتدا و انتہا سن لو   بجھایا تم نے پیری میں جلایا تھا جوانی میں
بہانہ ڈھونڈتے تھے ٹوٹنے میں زخم کے ٹانکے   ہنسی بدنام کرنے آئی تھی مجھ کو جوانی میں
میں رویا کہ روتے روتے نہ دو دست کی آنکھیں   یہ مقطع لکھ دو اے جاوید دیوانِ فغانی میں

—— ۲۲ ——

خدا برکت نہ دے ہے کس طرح غمخوار ہاتھوں میں   کہ اہلِ درد رکھتے ہیں دلِ بیمار ہاتھوں میں
لیے ہیں پھول گلشن کے دمِ رفتار ہاتھوں میں   نظر آتا ہے تازہ تختۂ گلزار ہاتھوں میں
وہ بلبل ہوں کہ بل کر مجھ کو صیاد نے مارا ہے   کبھی گردن ہے ہاتھوں میں کبھی منقار ہاتھوں میں
کسی کی زلف کو پہلے ہمیں چھو لیں ہمیں چھو لیں   مزے کی بات ہے ہے دیر سے تکرار ہاتھوں میں
بہارِ جاوداں جاوید ہم اس کو سمجھ لیتے   جو پھولوں کے عوض ہوتے گلِ رخسار ہاتھوں میں

—— ۲۳ ——

اُن کے دامن کی ہوا سے اب غشی طاری نہیں   جب دوا تو ہے ہوا تو کوئی بیماری نہیں
تم نے کھینچا تھا کیوں سینے سے گھبرا کے ارے   آبلہ ہے یہ دلِ سوزاں کا چنگاری نہیں
موت آنے کا یقیں ہو اور نہیں کچھ فکر موت   میں سمجھتا ہوں کہ یہ غفلت ہے بیداری نہیں
کاش مردہ ہو کے میرے سامنے اُٹھ جائے لاش   دل کی اب منظور اُن کو ناز برداری نہیں
تم عیادت کر کے کرتے اور بھی تڑپا دیا   جاؤ یہ تقدیر کا رونا ہے بیماری نہیں
خشک جو برسوں میں ہم کا خونِ دل اتنا بڑھا   آپ نے دیکھا مجھے اب کوئی بیماری نہیں
وہ تسلی دل کو دیتے ہیں زبد لا ہے مزاج   آج کل جاوید شغلِ نالہ و زاری نہیں

(۲۴)

ہے آگ نہاں سوزِ محبت کے اثر میں — جل جائے گی اُڑ بی جو بھری خونِ جگر میں
اب تک تو کمی کچھ نہ ہوئی داغِ جگر میں — برسوں سے چراغ ایک ہی جلتا رہا گھر میں
رنگت اُڑنے نہ دوں گا تری تصویر کے رُخ سے — باقی ابھی کچھ خون کے قطرے ہیں جگر میں
تزئینِ خیالات کی حد مل نہیں سکتی — چھوٹا سا بیاباں نظر آجاتا ہے گھر میں
اب بڑھ نہیں سکتا غمِ دنیا یہ خوشی ہے — زخموں کی جگہ تک نہیں باقی ہے جگر میں
یہ ضد ہے کہ کٹ جائے کہیں جلد یہ موسم — بچپن ہی سے تلوار لگائی ہے کمر میں
لیجائے زمانے کی ہوا اِس کو اُڑا کر — جنبش کی بھی طاقت نہیں ٹوٹے ہوئے پر میں
اے حشر مجھے قبر نے کیوں روک رکھا ہے — میں وہ تھا جو رہنے نہیں پایا کبھی گھر میں
ناواقفِ انجام کا دل ہوتا ہے کتنا — خود رو دیا دیکھے جو کبھی زخم جگر میں
اس دور میں ہم آئے تھے لے حضرتِ جاوید — جس عہد میں کچھ فرق نہ تھا عیب و ہنر میں

(۲۵)

یہی طے ہے تو رہنے دو یونہی آفت کے ماروں کو — ہم اپنے داغِ دل گنتے ہیں تم گن لو ستاروں کو
زمیں کوئے جاناں کب کسی کے کام آتی ہے — سنا ہے قبر بھی ملتی نہیں آفت کے ماروں کو
شہیدوں کا لہو ایسا نہ ہو کچھ رنگ دکھلائے — چھپا دو جلد زیرِ خاک اِن آفت کے ماروں کو
سمجھتے ہیں کہ سب کی موت کا باعث ہمیں ٹھہرے — غرورِ حسن بڑھتا ہے جو گنتے ہیں مزاروں کو
چلو جاوید بزمِ حضرتِ آسی میں آنکھوں سے — بہت وہ دوست رکھتے ہیں تم ایسے خاکساروں کو

(۲۶)

کوئی بس نہ تھا جو مرا غمگسار ہو — پھر کس لئے عدو کا کلیجہ فگار ہو
کیا اُن کو گر کسی کا کلیجہ فگار ہو — ترچھی نظر ہو سرمۂ دنبالہ دار ہو

دل میں کبھی تو آنکھوں میں رہتے ہو تم کبھی میں کب ہوں بیقرار تمھیں بیقرار ہو
جاوید فیض حضرت امید کا موجب کیونکر نہ ہر طرف کو تمھاری پکار ہو

(۲۷)

نگاہوں میں مری کچھ بھی نہیں ہے قدر جوہر کی الجھ جاتی ہے کانٹوں سے زبانِ تیز نشتر کی
ابھی ابھرا تھا کوئی آبلہ دل کا ابھی ٹوٹا میں سمجھا تھا ابھی تو زندگی ہے اور دم بھر کی
مرا شفاف سینہ دیکھ کر قلب و جگر دیکھو اک آئینہ میں تصویریں لگی ہیں دو برابر کی
سپیدی کفن پر چاندنی کا مجھ کو دھوکا ہے اٹھا لے روزنِ تربت نقابِ رخ کوئی سرکی
مرے دل کی رگیں سب خون دیتی ہیں ادھر دیکھو تم اپنے ہاتھ سے کیوں دیکھتے ہو باڑھ خنجر کی
نظر آتا ہے شیشے میں مجھے اک بال اے ساقی یہ کس نے کھینچ لی تصویر میرے جسم لاغر کی
سحر میں آنکھ کھولی ہے مگر پھر بند کرتا ہوں یہاں بھی تیرگی شاید بہت آئی ہے گھر کی
دوبارہ فصد دیجئے خون میں گرمی نہیں اتنی لہو میں پھر بجھا ظالم زباں جلتی ہے خنجر کی
مجھے جاوید کہنا آچکا بس انتہا یہ ہے غزل اس بزم میں ایسی سنی اک اک سخنور کی

(۲۸)

ہے یاد جوش پہ جس وقت اشکباری تھی تو ایک نہر اسی آستیں سے جاری تھی
میں آنکھ بند کیے تھا وہ دیکھتے تھے ادھر جسے وہ سمجھے تھے غفلت وہ ہوشیاری تھی
دل و جگر پہ تمھارے بھی ہاتھ تھم نہ سکے سمجھ لو خود کہ مجھے کتنی بیقراری تھی
قریب صبح وہ جاوید پوچھتے ہیں مزاج مشاعرے کی یہ کمبخت کوئی باری تھی

(۲۹)

جب رنگ گل رخ اڑا تو گلوں کو خبر ہوئی بلبل کی آہ رشک نسیم سحر ہوئی
جھوٹی تسلیوں پہ شب غم بسر ہوئی اٹھی چمک جو زخم میں سمجھا سحر ہوئی

ہم پھر اُسی طرح سے تڑپتے ہیں خاک پر — تم پھر نہ سوگے شدتِ دردِ جگر ہوئی
ہر ہر نفس چھری ہے پئے قطع شام ہجر — یا آج دم نکل ہی گیا یا سحر ہوئی
پہلو دبا دبا کے لحد نے جگا دیا — تم آئے حشر میں تو ہمیں بھی خبر ہوئی
ہے تیرگی لحد کی سپیدی کفن کی ہے — تربت کی ایک شام ہوئی اک سحر ہوئی
بدلیں جو کروٹیں تو زمانہ بدل گیا — دنیا تھی بے ثبات اِدھر کی اُدھر ہوئی
جراح سچ ہے آئی تھی فریاد کی صدا — ٹانکوں کے ٹوٹنے کی مجھے بھی خبر ہوئی
کچھ گرم تھی خبر مرے مرنے کی رات سے — خاموش سب چراغ ہوئے جب سحر ہوئی
عادت بُری بلا ہے محل پر ہو یا نہ ہو — چادر کے پھول ہنسنے لگے جب سحر ہوئی
کس منہ سے روؤں میں دلِ حسرت نصیب کو — جب مر چکا غریب تو مجھ کو خبر ہوئی
جاوید بوئے گل کو ہوا آ کے لے گئی — کلیوں کو غم ہوا نہ گلوں کو خبر ہوئی

۳۰

نہ تھی دوا کسی سوزِ غمِ نہانی کی — جلا کے شمع بجھا دی یہ مہربانی کی
یہ کس نے چاہنے والوں کی قدر دانی کی — یہاں تک آئی ہے آوازِ لن ترانی کی
اُسی اثر سے ابھی تک نہیں ہیں ہوش بجا — ہمیں بھی نیند کبھی آئی تھی جوانی کی
کسی کے سیکڑوں تیروں سے بن گیا ترکش — جگہ بھی دل میں نہیں اب تو شادمانی کی
زخم کلیجے کی سو بار دے چکی ہیں لہو — جو اب بھی موت نے پوچھا تو مہربانی کی
جنازہ یوں کہ تڑپ جائیں خفتگانِ لحد — میں جانتا ہوں کہ یہ چال ہے جوانی کی
ہلال دیکھ چکا چاند کو بھی دیکھ چکا — وہ بچپنے کی ہے تصویر یہ جوانی کی
فلک سے گر کے بھی بجلی زمیں پہ رہ نہ گئی — پسند آئی کسی کو نہ شے [illegible] فانی کی
کسی کے نام کا جاوید ابھی تک ہے اثر — شدید ظرف کو ہے اک دُھوم خوش بیانی کی

(۲۱)

سمجھا کہ مری زیست نے اب مجھ کو دعا دی — کس وقت میں زخمِ دلِ مضطر نے دغا دی
دل سے انھیں مرجانے پہ بھی میں نے دعا دی — جس قبر کو دیکھا مجھے گھبرا کے صدا دی
سچ کہتا ہوں تا حشر میں بیمار رہوں گا — خود ہاتھ سے اپنے مجھے کیوں اُس نے دوا دی
کیوں قبر کو ٹھکرا دیا کیوں چھینٹ نکالی — کیوں آپ نے سوئی ہوئی تقدیر جگا دی
ضبطِ دلِ صد چاک پہ رونا مجھے آیا — کم ظرف تھا شیشہ کہ جو ٹوٹا تو صدا دی
جاوید جو لب چھپے ہیں بادہ نہ کہیں گے — اک ہم نے غزل آج کہی تھی وہ سنا دی

(۲۲)

پچھلے کو ترقی تھی غضب سوزِ جگر کی — لو قد کے برابر ہوئی تھی شمع سحر کی
تم نے نہ مرے حالِ پریشاں پہ نظر کی — ماتم مرا کرتی تھی اُداسی مرے گھر کی
زخمی نے ترے آج کی بھی رات بسر کی — تھا صبح کا عالم کہ چمک زخمِ جگر کی
اب یاد نہیں ہجر کا کوئی بھی فسانہ — سب بھول [illegible] کی
آنکھوں کی سپیدی و سیاہی میں ہے اک راز — وہ شب کا اندھیرا ہے سپیدی ہے سحر کی

(۲۳)

ہم کو تو یاد آئیں ادائیں حضور کی — یہ آپ کی ہنسی ہے کہ بجلی ہے طور کی
بیدرد جس کو جانتے ہیں برقِ طور کی — بجلی چمک ہے زخمِ دلِ ناصبور کی
ہر شے کو ڈھونڈے منزل ہے اک سکون — کانوں میں تھک کے رہ گئی آواز دور کی
ہے جلوہ گاہِ ناز میں کیا کوئی اور بھی — کس کو جھک کے ڈھونڈھتی ہے شمع طور کی
خنجر گلے پہ رکھ کے ہٹاتے ہو بار بار — یہ سچ ہے ہو مجھ کو سزا کس قصور کی
جو کچھ ہو اب تو کہہ دیا ظالم سے رازِ عشق — بات ایک لاکھ میں نے یہ کی اور ضرور کی

۲۴

محفل میں خیرِ ناز سے پردا کرے کوئی　　چھپنے کا طرز یاس سے دیکھا کرے کوئی
بربادیِ جہاں کا تماشا کرے کوئی　　دریا کو خاک اڑانے سے صحرا کرے کوئی
دامن میں اشک جذب ہوں تو کیا کرے کوئی　　تاروں کو ڈوبتے ہوئے دیکھا کرے کوئی
اک برق ہے کہ خندۂ زخمِ دل و جگر　　اس روشنی میں آپ کو ڈھونڈھا کرے کوئی
پھر دیدنی ہو وسعتِ دامانِ آرزو　　اتنا بڑھائے دل کو کہ صحرا کرے کوئی
قطرے کی ہے دلیل فنا اتصالِ بحر　　وہ پھر کہاں جو تیری تمنا کرے کوئی
اس وقت کی دعا کو کہیں سن نہ لے خدا　　صبحِ شبِ وصال نہ کوسا کرے کوئی
یہ وقتِ واپسیں تمھیں دیکھوں کہ جان دوں　　تھوڑا سا وقت کام بہت کیا کرے کوئی
پھر ہم تڑپ تڑپ کے کہیں تم سے حالِ دل　　پھر مسکرا کے تم یہ کہو کیا کرے کوئی
سجادؔ یہ ہم کہیں کہ رگیں دل کی کھنچتی ہیں　　انگڑائی لے کے وہ یہ کہیں کیا کرے کوئی

۲۵

قلبِ صد پارہ کو ہم دادِ وفا دینے لگے　　اتفاق آپس میں رہنے کی دعا دینے لگے
آگ جب زخمِ جگر بے انتہا دینے لگے　　چارہ گر گھبرا کے اُف اُف کی صدا دینے لگے
رنگ اُس تصویر کے چہرے کا تھم سکتا نہیں　　بے ثباتی جہاں کا جو پتا دینے لگے
اُس نے کیوں چھڑکا نمک جس نے مجھے تڑپا دیا　　زخم جو مرتے تھے وہ بھی ہوا دینے لگے
مسکرائے زخمِ دل تیروں کی کثرت دیکھ کر　　اور تو کچھ دے نہ سکتے تھے دعا دینے لگے
اب کہاں تھا میں کہ دیتا اس محبت کا جواب　　جس کی تربت دیکھ لی بڑھ کر صدا دینے لگے
خاک میں مجھ کو ملانے وہ بھی آئیں غیر بھی　　اک مکرر ہو تو مٹی دوسرا دینے لگے
دامنِ صبر و تحمل ہاتھ سے پھر چھٹ گیا　　ٹوٹ کے زخموں کے ٹانکے پھر صدا دینے لگے

حلق پر خنجر کو رکھا منہ اُدھر سے پھیر کر ایک مجھ کو دو طرح کی وہ سزا دینے لگے

جانکنی کا وقت بھی باقی رہے تم بھی رہو دیکھنے آئے تو کیا اچھی دُعا دینے لگے

آگ عالم میں لگا دی گرمیٔ رفتار نے راستے میں تو چراغ نقشِ پا دینے لگے

مرنے والے پھر نہ اُسے جاوید کھولیں اپنی آنکھ گر قسم پڑھتی ہوئی اُن کی حیا دینے لگے

﴿۲۶﴾

جہاں میں نام رہ جاتا اگر اپنی سی کر جاتے جنھیں جینا بھی مشکل تھا اُنھیں آساں تھا مر جاتے

نہ آنکھوں میں کھٹکتے پھر نہ چبھتے یوں کلیجے میں اگر تیرِ نگاہِ ناز سینے سے گزر جاتے

درِ جاناں پہ ہم نقشِ وفا خود بن کے بیٹھے ہیں یہ مانا اُٹھ کھڑے ہوتے مگر اُٹھ کے کدھر جاتے

اگر رب کے موافق فیصلہ ہوتا نہ قسمت کا ترے در پہ سحر سے شام تک کیوں نامہ بر جاتے

﴿۲۷﴾

مثلِ قسمت سوؤں یہ تکرار رہنے دیجئے آپ غافل ہوں مجھے ہشیار رہنے دیجئے

اب کہاں ہم اور کہاں دیدارِ روئے دلفریب اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجئے

دیکھ لوں ہر رات کو کوتاہیٔ قسمت کی حد بخت کو خفتہ مجھے بیدار رہنے دیجئے

اس ادا پر دیکھنے والوں کے کٹتے ہیں گلے اپنے قبضے میں یونہیں تلوار رہنے دیجئے

ہے مزا بھی آپ کے تیروں سے دل میں درد بھی کھینچیے دو چار اور دو چار رہنے دیجئے

دھوپ میں مرجھائیں گے وہ داغِ دل جو ہیں حضور ان کو زیرِ سایۂ دیوار رہنے دیجئے

آپ دیکھے جائیے میرے دلِ مجروح کو زخم میں اُتری ہوئی تلوار رہنے دیجئے

میری صورت دیکھنے کے شوق میں آئے گی موت اور کچھ دن تک انھیں بیمار رہنے دیجئے

آئینے پر تیغ رکھ دی ہے تو کھلتا ہے یہ عکس شوق سے تلوار پر تلوار رہنے دیجئے

ذکرِ وصل و ہجر عالم میں قیامت تک رہے دو کو اچھا چار کو بیمار رہنے دیجئے

اس کے ہر ہر پھول میں جا دیکھے بوٹے بنا — پاس اپنے اُن کا پاسی ہار ہے پہنے ہوئے

(۲۸)

راز افشا کر کے کیوں قاتل کو رسوا کیجیے — زخم دامن دار سے تیروں کا بدلا کیجیے
دو حسینوں پر نظر اک وقت میں اچھی نہیں — دیکھ کے چاند آئینہ میں منہ نہ دیکھا کیجیے
ہم اگر ہوتے تو اتنا طور پر کہتے ضرور — کوئی دیکھے کوئی ترسے یوں نہ پردا کیجیے
میں ہنسوں یا روؤں یا نالے کروں یا چپ رہوں — رات تھوڑی اور بہت سے کام کیا کیا کیجیے
کوئی گر آنکھوں کو دیکھے تو نہ شکوہ کیجیے — سات پردوں میں چھپا ہو اور سکا نہ پردا کیجیے
منکشف شہر خموشاں کے ہوں کیوں راز و نیاز — آپ چپ بیٹھے کا میرے کچھ نہ چرچا کیجیے

(۲۹)

ہیں بند شرم سے آنکھیں وہ محو خواب میں ہے — حیا کے پردے میں تصویر بھی حجاب میں ہے
تم آئے نزع کی اُلجھن کو دیکھنے آخر — مزا حیات کا جو کچھ ہے اضطراب میں ہے
نہیں ہے وادی محشر میں حسرتوں کی جگہ — یہ قافلہ بھی دل خانماں خراب میں ہے
جواب اسکا اگر ہے تو یہ کہ مر جاؤں — اڑا کے نیند مری کیوں وہ محو خواب میں ہے
لحد میں شانہ ہلانے کی ضد نہیں اچھی — جسے جگایا تھا تم نے وہ آج خواب میں ہے
سفید بال چھپاتے ہیں کیوں ابھی سے کفن — ابھی شباب مرا پردۂ خضاب میں ہے
اسی سے آئی قیامت بھی چال دیکھنے کو — کہ کھینچنے سے زیادہ ادا شتاب میں ہے
ہمیں ہیں پاس کی تصویر کھینچنے والے — ہم ایک جاگتے ہیں اور زمانہ خواب میں ہے
ابھی ہے حضرت جاوید کچھ شباب کا زور — ذرا سی مے کا اثر ساغر شراب میں ہے

(۳۰)

دم بھی باقی نہ رہا جان کو کھوتے کھوتے — مر گئے ہجر کے افسانوں کو روتے روتے

گرہ رشتۂ انفاس بنے ہیں آنسو دم مرے سینے میں رک جاتا ہے روتے روتے
عمر بھر آپ نہ آئے نہ اجل نے پوچھا شرم آنکھوں سے بھی آنے لگی روتے روتے
پوچھتے کیا ہو مسرت کا سبب کچھ بھی نہیں زخم کی طرح سے ہنسنے لگا روتے روتے
حشر نے کیا مجھے دیدی ترے آنے کی خبر کروٹیں لینے لگا قبر میں سوتے سوتے

(۴۱)

میں یہ سمجھوں کہ اجل آئے گی اک بار مجھے گر نہ راتوں کو پکارے دلِ بیمار مجھے
اب یہ کہتے ہو کہ راتوں کو نہیں نیند آتی تم نے کیوں دفن کیا تھا پسِ دیوار مجھے

(۴۲)

خنجر ہے جو ہاتھ میں قاتل لیے ہوئے ارمان بڑھ رہے ہیں مرا دل لیے ہوئے
سمجھا تھا ان کے تیر کو سرمایۂ حیات نکلا تو ساتھ ہی جگر و دل لیے ہوئے
دس انگلیوں سے جل گئے تربت پہ دس چراغ آئے تھے ایک شمع بشکل لیے ہوئے
اُس بزم سے چلے نہیں دنیا سے ہم چلے اپنی تمام عمر کا حاصل لیے ہوئے

(۴۳)

کسے یقین کہ عالم میں پھر بہار آئے ہرے جو زخمِ جگر ہوں تو اعتبار آئے
جہاں کا کام بھی امید ہی پہ چلتا ہے کسی کو دیں وہ تسلی مجھے قرار آئے
کسی کی جان جو لے وہ اجل بھی ہو اتنا اجل جو آئے تو کیوں نظر نہ ایک بار آئے
بگاڑی طور کے جلوے نے عادتِ موسیٰ ہزار بار گئے اور ہزار بار آئے
بہانہ یہ تھا کہ ہم سرد آہ کھینچیں گے بجھانے کیوں وہ چراغِ سرِ مزار آئے
لحد پہ چادرِ گل دوست کیوں چڑھاتے ہیں ہمیں نہیں ہیں تو عالم میں کیوں بہار آئے
تمہاری تیغ نے جو ابتدائے زخمِ گلو گلا کسی کا کٹے اور کسی کو پیار آئے

جہاں کا رنگ طبیعت بدل گیا جاوید شراب جوش میں آئی جو بادِ خوار آئے

—۴۴—

کوئی راحت کی نیند سوتا ہے کوئی پچھلے پہر سے روتا ہے
کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے یہ بھی ہوتا ہے وہ بھی ہوتا ہے
شمع بھی ہے سحد پہ پھول بھی ہیں کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
دور سے موت کا مزا چکھتا جب یہ ہوتا ہے یوہیں ہوتا ہے
دل بھی کھنچتا ہے کچھ اسی جانب تیر کا رُخ جدھر کو ہوتا ہے
بہہ گیا دل بھی خون ہو ہو کر کون کس کا جہاں میں ہوتا ہے
زخمِ دل کی طرف سے منہ پھیرا تم ستاتے ہو اور یہ روتا ہے
ہجر کی رات کا کوئی جاگا آج پھیلا کے پاؤں سوتا ہے
کہہ دو کہہ دو ہوا چلے تھم کر پھر مرے دل میں درد ہوتا ہے
اُن کو جاوید آ رہی ہے ہنسی میں تو چپکا ہوں کون روتا ہے

—۴۵—

حد سے جو ضد بڑھے تو نئی بات کیجئے بکھرا کے زلف دن کو ابھی رات کیجئے
کہتے ہیں دیکھ کر مری صورت یہاں سے غیر اب اس کے رنج کی نہ کوئی بات کیجئے
مجھ سے جدا ہیں آپ تو دیکھیں نہ آئینہ اپنے سے بھی تو ترکِ ملاقات کیجئے
بالکل اجل میں ہے کسی معشوق کی ادا اک عمر انتظارِ ملاقات کیجئے

—۴۶—

گھٹنے بھی سوزِ غم تو بھی اثر جاتا ہے مشکل سے دھواں بجھنے پہ بھی اٹھتا ہے کم کم شمعِ محفل سے
ہے بیمار چارہ گر مضطر ہے زخموں کی مشکل سے کہ بھاہوں کے قدم تھمتے نہیں بیتابیِ دل سے

مجھے کیا سستیِ رفتارِ نبضِ ناتواں بھائی چلی ہے عمر بھر اور پھر وہی دوری ہے منزل سے
ابھی تربت کو کیا جانوں ابھی محشر کو کیا سمجھوں ابھی تک سانس تو لیتا ہوں گو لیتا ہوں مشکل سے
شروعِ عشق میں مرجانے والوں کو تو بہتر ہے تمہارے ناتواں آخر میں دم توڑیں گے مشکل سے
وہی میں تھا کہ وسعت دہر کی میرے لیے کم تھی وہی میں ہوں کہ کروٹ بھی بدلتا ہوں تو مشکل سے
میں سمجھوں کہ ہے مدِ نظر تعظیم در پردہ یہ بہتر ہے کہ خود اُٹھ کر اُٹھا دو مجھ کو محفل سے
ہیں جتنے آبلے سینے کے اُن سب کو جلانا ہے ذرا پھر مسکرا دو پھر لپٹ جاؤ مرے دل سے
لحد سے جائیں گے بچ کر تیرے صحرائے محشر میں وہ ہو گی دوسری کروٹ کہ جو بدلے گی مشکل سے
تڑپنے والے طائر رحم کر کچھ حال پر اپنے قفس کی تیلیاں مضبوط ہیں ٹوٹیں گی مشکل سے
غزل کی لب بنا اس نظم پر جاوید قائم ہے فقط کچھ شعر پڑھ دے اور غرض کچھ بھی نہ حاصل سے

—— ۴۷ ——

جو کارواں سے ضعف کے ہاتھوں جدا ہوئے گرد اُٹھ کے ڈھونڈھتی ہے کہ آخر وہ کیا ہوئے
گردش میں ہیں وہی جو وطن سے جدا ہوئے پنہاں قطرے سے صورتِ بانگِ درا ہوئے
جاتا ہے اے غبار تو اتنا بتا کے جا جو استخواں سپردِ لحد تھے وہ کیا ہوئے
ہے زندگی و موت میں یوں اتصال و بُعد جیسے گلے ملے آپ سے اور جدا ہوئے
دس بیس کو جلا کے نہ لاکھوں کی جان لو حد سے نہ یوں بڑھو کہ کہو ہم خدا ہوئے
لاشہ اُٹھایا دفن کیا فاتحہ پڑھا جب جان لے چکے تو بڑے باوفا ہوئے
خطِ حسین نہیں ہے یہ لوحِ مزار ہے نیرنگِ روزگار طلسمِ وفا ہوئے
کہتا تھا کوئی داورِ محشر سے سرگذشت اچھا کسی کی بات سے تم کیوں خفا ہوئے
آج ابتدائے عشق کا کچھ آگیا خیال پیوست تھے جو تیر الٰہی وہ کیا ہوئے
جلوہ وہ ایک ہی ہے جو سب کی نظر میں ہے جو صاف آئینے تھے وہ صورت نما ہوئے

اب قبر پر پکاریے دیں گے نہ ہم جواب — پہلے خفا حضور تھے اب ہم خفا ہوئے
بجلی کو انتظار کا موقع نہ مل سکا — ٹکڑے ہمارے دل کے جو سب یک جا ہوئے
جاوید مختصر ہے یہ افسانۂ فراق — آفت میں کھو کے دل کو ہمیں مبتلا ہوئے

۴۸

ارمانِ قتل کوئی تو قاتل نکال لے — رنگِ حنا سے خونِ رگِ دل نکال لے
بے صبر کیوں کہو اسے بیتاب کیوں کہو — حسرت تڑپ تڑپ کے جو بسمل نکال لے
راحت ہے کس کا نام اذیت ہے کس کا نام — ارماں اگر نکل نہ سکیں دل نکال لے
کہتے ہیں آبلے تجھے سونا ہے بے خبر — کانٹے تو بیٹھ کر سرِ منزل نکال لے
گنجائش خیال کرا اے چارہ ساز ہو — دو چار تیر دل سے بمشکل نکال لے
نشتر کا وقت اب ہے کہ ملتے ہیں دونوں وقت — پھولے شفق جو خونِ رگِ دل نکال لے
شایانِ نزول قطرۂ باراں کو دیکھ کر — دل سے خیال دوریِ منزل نکال لے
تیروں کی آگ دوڑ گئی ہے جگر تلک — بہلے کوئی جلد مرا دل نکال لے
جاوید بیٹھ کر کسی محفل میں دو گھڑی — اپنی تمام عمر کا حاصل نکال لے

۴۹

ضعف کا زور ہے ہر روز کی بیماری سے — اب تو کروٹ بھی بدلتا ہوں تو دشواری سے
مشورہ لیتے وہ تربت پہ مری آکر ہیں — نہیں معلوم وفا ہے کہ ستمگاری ہے
سر کا کیا ذکر نگہ تک نہیں اٹھنے پاتی — زندگی موت ہے اس تن کی بیماری سے
میں تڑپتا ہوں تو سونے نہیں پاتا کوئی — نیند عالم کی اڑی ہے مری بیداری سے
گرم اشکوں نے مرے دل کی بجھائی آتش — کام پانی کا لیا آگ کی چنگاری سے
اپنے داماں میں چھپا لیتے ہیں بستر کی شکن — لاغری بڑھ گئی ہے ہجر کی بیماری سے

لے وفا قبر کی مد پیش ہے پہلی منزل مر کے بھی میں نہ رہا ہوں گا گرفتاری سے

۵۰

معیّن ہیں خدا کے گھر سے میرے نام کے ٹکڑے شکستہ دل کے ٹکڑے بن چکے ہیں جام کے ٹکڑے
سنا کچھ غیر سے تم نے اُن سے کہا کچھ غیر نے مجھ سے کسی کی شوخیوں سے ہو گئے پیغام کے ٹکڑے
کسی نے خط کیا صد چاک ضد کی انتہا یہ ہے نہ اس کے کام کے ٹکڑے نہ میرے کام کے ٹکڑے
اسیروں کے تڑپنے پر دلِ صیاد ہے مضطر یہ ڈرتا ہے نہ ہو جائیں کہیں پھر دام کے ٹکڑے
کہیں جاوید کا دستِ طلب بھی بڑھنے والا ہے خدا کی راہ میں دیدے دلِ ناکام کے ٹکڑے

۵۱

یہی نیرنگِ عالم اک نہ اک دن کام آتا ہے ہوا جب زخم کھاتے ہیں تو کچھ آرام آتا ہے
اگر دیکھوں تو آفت ہو نہ دیکھوں تو قیامت ہو غرض دونوں طرح سے اک نہ اک الزام آتا ہے
سلے جاتے ہیں زخمِ دل کے سب ٹوٹے ہوئے ٹانکے کسی کی سمت سے کیا وصل کا پیغام آتا ہے
بڑی نعمت ہے یہ پیری ساتھ ہے جس کا قیامت تک شباب اچھا ہے جو تھوڑے دنوں کام آتا ہے
ابھی تک میری رگ رگ میں کسی کا درد باقی تھا فشارِ قبر سے بے حد مجھے آرام آتا ہے
یہ کیا ہے ایک ہی گردن پہ خوں سارے زمانے کا کوئی قصہ چھڑے پہلے تمہارا نام آتا ہے
نفس پھر کر نہ آئے اور نہ نبضیں ڈوب کر ابھریں یہ سچ ہے کون مرتے دم کسی کے کام آتا ہے
ابھی کل صبح جس کی مل گئی تھی صبحِ محشر سے الٰہی خیر کرنا پھر وہ وقتِ شام آتا ہے
اجل سے میں برا سمجھوں تو کیوں اس ناتوانی کو زباں تک اب تو مشکل سے تمہارا نام آتا ہے
نہیں ہوتا نہیں ہوتا ہے احساسِ غمِ دنیا یہی جب درد بڑھ جاتا ہے میرے کام آتا ہے

بڑے ہو تم لئے جاوید لیکن شکر ہے اتنا
زبانِ دوست دشمن پر تمہارا نام آتا ہے

۵۲

رقیبوں کا یوں بھی کہا ہو رہا ہے — کسی پر کوئی پھر خفا ہو رہا ہے
دمِ ذبح آخر یہ کیا ہو رہا ہے — گلے مل کے خنجر جدا ہو رہا ہے
نکلتا ہے دم یا نکلتے ہیں ارماں — مری بزمِ دل میں یہ کیا ہو رہا ہے
لحد پر جو آئے تو اللہ رے بچپن — بچھڑنے کا میرے گلا ہو رہا ہے
مرا دم نکلتا ہے لیکن مزے سے — کوئی مسکرا کے خفا ہو رہا ہے
کہاں میرا دامن کہاں ہاتھ اُن کا — غضب ہو جو کہہ دوں یہ کیا ہو رہا ہے
سفر میں غزل واہ جاوید واہ — کسی دوست کا یہ کہا ہو رہا ہے

۵۳

ہم حدِ سوزِ قلب و جگر کو بھی رو لیے — انگارے ڈوبے تھے جو لہو میں ڈبو لیے
اب کیا کسی کی جان ہی لے گا فراقِ دوست — رونے پہ اختیار تھا اک عمر رو لیے
ہے آئینہ میں عکس اُدھر آپ اسطرف — اب تک حضور ایک طرف کے نہ ہو لیے
دل کی جو آگ بڑھ کے کلیجے تک آ گئی — ہمنے بھی احتیاط سے دامن بھگو لیے
رونے کے سلسلے میں ہے اشکِ متصل — رشتہ تھا ایک اور کئی موتی پرو لیے
ہشیار ہو کے بات کریں اب تو روزِ حشر — جاگے شبِ فراق کے جی بھر کے سو لیے
بس مختصر یہ ہے بہت اچھی گزر گئی — زخموں کی طرح گاہ ہنسے گاہ رو لیے
صبحِ شبِ فراق قیامت سے مل گئی — ہاں تھوڑی دیر موت کے حیلے سو لیے
جاوید! تم کو دوست نہ اک عمر تک ملا — تم تو کسی کے بھی نہ زمانے میں ہو لیے

۵۴

یہ چہرے پہ کبھی اور کبھی زلفوں پہ نظر جائے — وہ رات ہے کیا رات جو اس طرح گزر جائے

جو دل پہ شبِ ہجر گذرتی ہے گذر جائے   اس طرح سے تڑپے کہ سحر ہوتے ہی جائے
ہاں گورِ غریباں میں وہی میری لحد ہے   بے قصد جہاں پر وہ ستمگار ٹھہر جائے
امید پہ چلتا ہے زمانے کا ہر اک کام   جس کو نہ ملو حشر میں بھی تم وہ کدھر جائے
اے چارہ گرو منھ نہ مرا دیکھ کے روؤ   وہ زخم کلیجے کا نہیں ہے کہ جو بھر جائے
ایسا بھی زمانے میں تعلق نہیں دیکھا   جس سمت کہ تم جاؤ اُدھر سب کی نظر جائے
گھبرا کے نہ تم ہاتھ کو سینے سے ہٹاؤ   عادت ہے مرے دل کی تڑپ لے تو ٹھہر جائے
دنیا کی کوئی راہ نہیں آنکھ سے دیکھی   جو خون رگوں سے نکل آئے وہ کدھر جائے
ہر دل کی کشش اپنی طرف کر جسے کھینچے   دیوانہ کے باہر بھی وہ نکلے تو کدھر جائے
اشکوں نے لگا دی ہے کلیجے میں مرے آگ   یہ تپ وہ نہیں ہے جو پسینے سے اُتر جائے

۵۵

ان کو تو سہل ہے وہ غیر کے گھر جائیں گے   ہم جو اُس در سے اُٹھیں گے تو کدھر جائیں گے
کیا کہیں کس سے کہیں ہجر کی ایذاؤں کو   اب اگر موت نہ آئے گی تو مر جائیں گے
کس پتے سے مجھے محشر میں وہ پہچانیں گے   اتنی مدت میں بھی کیا زخم نہ بھر جائیں گے
غیر کہتے ہیں ترس کھا کے مری حالت پر   اِن کو سینے سے لگاؤ نہیں مر جائیں گے
ستم و جور ذرا حد سے گذرنے دیجے   خیر اس کام کے ہم بھی ہیں کہ مر جائیں گے

۵۶

کہا جو اُس نے کہ کہئے تو مدعا کیا ہے   مری زبان سے نکلا کہ فائدا کیا ہے
تمام ہو گئے ہم داستان ہو گئی ختم   اب اور قصۂ فرقت کی انتہا کیا ہے
گلے سے آکے ملے وہ تو اور دل تڑپا   بڑھے وہ اسے تو پھر درد کی دوا کیا ہے
تمام عمر کے بعد آج منھ سے یہ نکلا   تڑپ کے جان بھی دیدوں تو فائدا کیا ہے

۶۸۹

حیات جدید

سید مہدی میرزا جدید، جناب رشید لکھنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ لکھنؤ کے ایک مشہور محلہ رکاب گنج دالمنڈی میں اپنے آبائی مسکن موسوم بہ باغ میر عشق میں پیدا ہوئے اور وہیں ہمیشہ سکونت رہی۔

جناب عشق مرحوم کے ایک چھوٹے بھائی سید احمد میرزا صاحب صابر آپ کے والد تھے اور میر انیس آپ کے حقیقی نانا۔ ان دونوں مستند باکمال خاندانوں سے اتنا قریبی رشتہ ہونے کی وجہ سے فن شعر سے دلچسپی کوئی تعجب کی بات نہیں اس پر ماحول کا اثر اور طبیعت کا لگاؤ سونے پر سہاگے کا کام کر گیا۔ ننھیال کے اثر نے مرثیہ کے میدان میں طبیعت کو شہ زور بنایا اور ددھیال کی طرف سے مرثیہ اور غزل دونوں کی محبت حصہ میں آئی، چنانچہ جناب رشید اور ان کے سب بھائی یعنی سعید، حمید، مجید اور جدید، مرثیہ کے ساتھ ساتھ طائر غزل کو بھی اپنے دام میں اسیر کیے رہے اور کلام کے یہ دونوں رُخ اس خاندان نے نہایت واضح اور روشن کر کے پیش کیے۔

جناب رشید مرحوم کے علاوہ ان کے چاروں بھائی زیادہ عمر تک دنیا میں نہیں رہے اور اسی وجہ سے اُن حضرات کے کلام اور ان کی فنی کاوشوں کو عوام میں زیادہ شہرت نہ ہو سکی۔ تاہم جتنی محنت بھی ان حضرات نے کی اور جو خدمت بھی اپنے دین اور اپنی زبان کی انجام دی وہ بھلا دیے جانے کے قابل

ہرگز نہیں ہے۔

جناب جدید کو اُن کی زندگی نے صرف اتنا موقع دیا کہ تقریباً دس مرثیے کہہ سکے اور ایک مسدس حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ کی شان میں بھی نظم کیا ہے اسکے علاوہ غزلیات وغیرہ کا کافی ذخیرہ تھا لیکن اس وقت ہم ضرورت وقت کے پیش نظر نیز پڑھنے والوں کے حدودِ ذوق کا لحاظ کرتے ہوئے جس قدر مناسب معلوم ہوا صرف اوتنا ہی پیش کر رہے ہیں جس کا اختصار موجب ملال ہوگا نہ طول کلام باعث آزردگی۔

جناب جدید ایک پُرگو اور خوش گو شاعر تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بزرگوں کی تربیت کے اثر سے بے انتہا خوش اخلاق، متواضع اور منکسر مزاج بھی تھے۔ دوستوں کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور حتی الامکان اون کو خوشنود رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ماہ رجب ۱۹۰۰ء میں اپنے مسکونہ مکان میں انتقال فرمایا اور اپنی خاندانی ہڑواڑہ واقع باغ میر عشق میں دفن ہوئے۔ نہ شادی ہی ہوئی تھی نہ کوئی اولاد ہی چھوڑی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔



سید مہدی میرزا صاحب جدید
برادر رشید لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از کلام حضرت جدید لکھنوی

غزلیات

(۱)

یہ سر مرے تن پر نہیں سودا ہے کسی کا پہلو میں یہ دل داغِ تمنا ہے کسی کا
یوں لے کے چلے ہیں مجھے لوگ اس کی گلی سے جو دیکھے وہ سمجھے کہ جنازا ہے کسی کا
یہ سوچ کے پہونچاؤ نہ ایذا مرے دل کو پروردۂ آغوشِ تمنا ہے کسی کا
دل اُس کو نہ دو مجھکو یہ سمجھاتے ہیں احباب کیا میری طبیعت یہ اجارا ہے کسی کا
فرہاد بھی ہم عشق میں تھے قیس بھی ہم تھے اب کوہ کسی کا ہے نہ صحرا ہے کسی کا

(۲)

جل گیا جسمِ زار کیا کہنا آتشِ ہجرِ یار کیا کہنا
سُن کے میری وفا کو اہلِ وفا کہتے ہیں بار بار کیا کہنا
سیکڑوں ہو رہے ہیں دیوانے تیرا فصلِ بہار کیا کہنا
یاد دلوا رہی ہے ہجر کی شب تیرگی مزار کیا کہنا
چھوٹ کے دل سے کہہ رہا ہوں جدید گردشِ روزگار کیا کہنا

(۳)

ہے عکس آئینہ میں رُخِ لاجواب کا پانی میں پھول تیر رہا ہے گلاب کا

بگڑے ہوئے ہیں عاشق رخسار باغ میں — گلچیں نے پھول توڑ لیا ہے گلاب کا
اکبار آج صبح ہوئی شام ہو گئی — کیا تم نے بند کھول کے باندھا نقاب کا
جاتے ہیں اس خیال سے خود لے کے ہم خط — ہم انتظار کر نہ سکیں گے جواب کا
مشہور سب میں دفتر عالم ہے جس کا نام — پہلا ورق ہے وہ مرے غم کی کتاب کا
تعریف سن کے حضرت یوسف کے حسن کی — غصے میں بند کھول رہے ہیں نقاب کا

(۴)

بے سبب کب ہے یہ سیر رقص بسمل دیکھنا — مار ڈالے گا ترا ہنس ہنس کے قاتل دیکھنا
آج مجھ سوزاں کے آنے سے یہ بڑھ جائے گا رشک — خود بخود جلنے لگے گی شمع محفل دیکھنا
ملک دل جس روز سے اجڑا یہ عالم ہو گیا — ہم کو رو دینا جہاں آباد منزل دیکھنا
جن کو ہے شوق شہادت لوٹتے ہیں ان کے دل — ہچکیاں کس لطف سے لیتے ہیں بسمل دیکھنا
بزم عالم میں نہ ہوں گے ہم تو ہو گی تم کو قدر — اور ہی ہو جائے گا یہ رنگ محفل دیکھنا
اس کو سمجھاتا ہوا مقتل میں لاتا ہوں جدید — رحم کرنا جب کسی کو نیم بسمل دیکھنا

(۵)

کچھ خبر ہے خلق سے کون آج رحلت کر گیا — کل جسے زخمی کیا تھا آپ نے وہ مر گیا
آج اس ظالم سے وحشت کا کہوں گا ماجرا — جان پہ کھیلے ہوں یا سودا گیا یا سر گیا
فکر تھی، ہے امتحان عشق کیا ہو دیکھئے — خیر گزری اضطراب دل تہ خنجر گیا
ان سے کہہ آئے کوئی جا کر کہ سوتے ہیں چین سے — جو کیا کرتا تھا نالے رات بھر وہ مر گیا
کچھ نہیں ہے شعر گوئی کا مزا باقی جدید — سچ یہ ہے جب سے تعشق مر گئے دل مر گیا

(۶)

اپنے قابو میں جو ہو جائے فنا ہو جانا — سہل ہے پھر غم فرقت سے رہا ہو جانا

سچ یہ ہے اُن کا بگڑنا بھی مزا دیتا ہے
باتوں باتوں میں قیامت ہے خفا ہو جانا

وہ یہ کہتے ہوئے آتے ہیں مری لاش کے ساتھ
چاہیئے حقِ محبت سے ادا ہو جانا

ابھی حالِ دلِ بیتاب بیاں کرتا ہوں
خواہش وصل کروں گر تو خفا ہو جانا

ہے مجھے نزع پھری جاتی ہیں دونوں آنکھیں
کہیں اس وقت نہ پہلو سے جدا ہو جانا

(۷)

وہ عجیب طرح کی فصل تھی کہ ہمارے اُن کے ملال تھا
نہ پیام تھا نہ سلام تھا نہ جواب تھا نہ سوال تھا

ہمیں جس زمانے میں دوستو سروکار تھا نہ کسی سے بھی
نہ خوشی تھی وصل حبیب کی نہ کسی طرح کا ملال تھا

جو وہ وعدے کرتے تھے جھوٹے بھی تو یہ شکل تھی دل زار کی
وہ اب آتے ہیں وہ اب آتے ہیں یہی خواب میں بھی خیال تھا

اگر ان کی دہر میں دھوم تھی تو بڑی ہماری بھی قدر تھی
جو کمال اُن کو جفا میں تھا تو وفا میں ہم کو کمال تھا

لب بام تھے جو وہ جلوہ گر تو جدید شام کو تھی سحر
مرے ماہ کو جو عروج تھا تو فلک پہ مہ کو زوال تھا

(۸)

ہمارے ساتھ جو ہے عشق سیئے روشن کا
ادب سے جل نہیں سکتا چراغ مدفن کا

ابھی کیا ہے مجھے دفن، پر تجاہل سے
نشان پوچھ رہے ہیں ہر اک سے مدفن کا

جو باغ خلد میں بوئے وفا ہوئی منظور
فرشتے لے گئے اک پھول میرے مدفن کا

خطا معاف کر دست جنوں ہے زور دوں پہ
نہ اب لحاظ گریباں کا ہے نہ دامن کا

جدیدؔ چاہیے یوں زندگی بسر کرنا / کسی سے دوست کا شکوہ کرے نہ دشمن کا

(۹)

خیالِ زلف گیا یادِ روئے یار آیا / تمام رات ہوئی روزِ انتظار آیا
نہ اُس گلی میں نہ گھر میں مجھے قرار آیا / ہزار بار گیا اور ہزار بار آیا
کیا ہے مجھ کو جو کشتہ کسی نے ہنس ہنس کے / جو میری قبر پہ آیا وہ اشک بار آیا
ہمارے دل میں ہے اور برق میں اتنا فرق / یہ بے قرار رہا اور اُسے قرار آیا
خوشی سے کر دیا سر نذرِ خنجرِ قاتل / یہ بوجھ اک مری گردن پہ تھا اُتار آیا
جدیدؔ عشق رہا مجھ کو سب حسینوں سے / کسے یقین ہوا، کس کو اعتبار آیا

(۱۰)

دل سے چھٹ کے یہ بیاں ہے ترے فریادی کا / رنج کا لطف رہا اب نہ مزا شادی کا
گھر سے کیا کام ہے پھرنے سے غرض رکھتے ہیں / کہ طریقہ ہمیں منظور ہے آزادی کا
روز عشاق پہ ہوتی ہیں جفائیں تازہ / آپ سے نام ہے روشن ستم ایجادی کا
خوگر عیش تھے، جب تک کہ نہ تھا عشق سے کام / اب غم و رنج میں ملتا ہے مزا شادی کا
اب تو خاک اڑنے لگی کشورِ دل میں ہر سو / کبھی شہرہ تھا اسی ملک کی آبادی کا

(۱۱)

لاش پر آئے، نہ فرقت میں تڑپنا دیکھا / آج تم نے مجھے گویا بہت اچھا دیکھا
یوں نقاب اُلٹی کہ جھپکیں مری دونوں آنکھیں / پھر ستانے کے لیے پوچھتے ہیں کیا دیکھا
واہ رے عالمِ نیرنگ تری نیرنگی / صبح کو اٹھ کے نیا روز تماشا دیکھا
تم نے دم کے نثار اپنی نکالی حسرت / آج ہم نے جگر و قلب کو اک جا دیکھا
وصل میں آخرِ شب کیا کہوں احوال جدیدؔ / مجھ کو غش آ گیا جب صبح کا تارا دیکھا

(۱۲۹)

ہو کے گریاں رازِ عشق افشا کیا　　ہم سے آنکھوں نے سلوک اچھا کیا
خوفِ رسوائی سے کب نالا کیا　　مجھ کو دل اور دل کو میں روکا کیا
کر دیا غش طالبِ دیدار کو　　تیرے جلوے نے تماشا کیا
برسوں آنکھوں سے بہا دل ہو کے خوں　　عشق نے اک قطرے کو دریا کیا
پھیرا میری سمت سے شرما کے منہ　　رازِ الفت آپ نے افشا کیا
جب میں پاؤں گا کسی دن خوش مزاج　　اُن سے پوچھوں گا مرا دل کیا کیا
خالقِ قدرت سے کیونکر پوچھیے　　کیا ضرورت تھی جو دل پیدا کیا
کیا کروں گا میں اگر لے لوگے جان　　لے گئے تم دل تو میں نے کیا کیا
ان کو مجھ سے مجھ کو اُن سے ہے گلہ　　کیا خبر کس نے کسے رسوا کیا
صبح کو آئی قیامت اے جدید　　حشر جب یاں شام سے برپا کیا

(۱۳۰)

مقام قبر کا ہم نے قریبِ در پایا　　کبھی جہاں سے نہ اٹھیں گے اب وہ گھر پایا
یہ سچ ہی آتشِ فرقت کبھی نہیں بجھتی　　کبھی نہ کم تجھے اے سوزشِ جگر پایا
فراقِ یار میں رو یا یہ میں قیامت تک　　کہ اپنے نامۂ اعمال کو بھی تر پایا
عدم کے کوچ میں عرصہ نہ کر سکے دم بھر　　چلے گئے جو نہ ساتھی دمِ سحر پایا
بدن سے روح جدا ہو گئی تو کچھ بھی نہ تھا　　کمالِ عشق کے نقشے کو مختصر پایا
خزاں کی فصل میں دیکھا چمن کا یہ عالم　　نہ کوئی پھول نہ بلبل کا ایک پر پایا

سوائے حیدرِ کرار اے جدید سرِ
کسی کو اور نہ حامی دمِ سفر پایا

(۱۴)

درد ہے ایسا ترقی پر دلِ ناشاد کا — عرش تک پہونچا ہے آوازہ مری فریاد کا
کس قدر عشاق کو ہے تیری رسوائی کا پاس — نام سب نے موت رکھا ہے تری بیداد کا
رات بھر سنتا ہے احوالِ اسیرِ دامِ زلف — گر کسی دن دم الجھتا ہے مرے صیاد کا

(۱۵)

کس کا یہ دھیان اے دلِ ناشاد آگیا — بیتاب کیوں ہے کون تجھے یاد آگیا
دوری تمام خلق سے ہے تیرے قرب میں — بھولا سبھوں کو وہ جسے تو یاد آگیا
پیری میں رو دئے خوب جوانی کے واسطے — وہ جوش وہ امنگ وہ دل یاد آگیا

(۱۶)

گل سے بھی ہے نرم تر ہر ایک خار کوئے دوست — یہ ضیا ہے لاکھ آئینے نثار کوئے دوست
کل بشر سمتے ملائک ہیں نثار کوئے دوست — کس زباں سے ہو بیاں عز و وقار کوئے دوست
حضرت موسیٰ و عیسیٰ سے بجا ہے ہمسری — مرتبے میں کم نہیں طاعت گزار کوئے دوست
صحنِ اقدس میں پروں سے رہتے ہیں جاروب کش — حضرت جبریل ہیں خدمت گزار کوئے دوست
ہوگئی مدت تصور میں گئے تھے ہم کبھی — آج تک آنکھوں میں پھرتی ہے بہار کوئے دوست
آسماں تک اُن کی ہوا نے کر دیا ایسا بلند — جا ملا طوبیٰ کی چوٹی سے غبار کوئے دوست
مجھ کو احبابِ وطن کے چھوٹنے کا غم نہیں — پر بہت یاد آ رہے ہیں غمگسار کوئے دوست
خلد سے جانے کو ہوں جلدی مدینے کی طرف — لے جدید زار رکھوں گا بہار کوئے دوست

(۱۷)

کوچۂ زلفِ سیہ فام ہے ویران بہت — شانہ اس راہ سے گزرے ہیں پریشان بہت
جگر و دل کو بلا لیں کہ نفسہ جائے — اب یہ دونوں مجھے کہتے ہیں پریشان بہت

اُلجھنت زُلف زمانے کو کرے گی وحشی ۔۔۔ جمع ہو جائیں گے صحرا میں گریبان بہت
عاشقِ زلف ہے لازم ہے مجھے دل کی خبر ۔۔۔ رہتے ہیں رات کو ہشیار نگہبان بہت
ہر گھڑی ہے مری آنکھوں کو تری دید کا شوق ۔۔۔ تیری باتوں کے ہیں مشتاق مرے کان بہت
مرتے دم حسرتِ دیدار جو نکلی بھی تو کیا ۔۔۔ اور تو دل میں لیے جاتے ہیں ارمان بہت
تھا جنوں جوش پہ اور دستِ جنوں زوروں پر ۔۔۔ ضعف نے بڑھ کے بچا لیے گریبان بہت
دل کے جانے سے جگر یوں مجھے سمجھاتا ہے ۔۔۔ یونہیں آباد مکاں ہوتے ہیں ویران بہت

(۱۸)

حالِ عدم کھلا نہیں اسرار کی طرح ۔۔۔ معدوم ہو گیا کمرِ یار کی طرح
یہ آپ کے فراق میں پہونچی ہے کیفیت ۔۔۔ اُٹھنے میں آہ کرتے ہیں بیمار کی طرح
تو نے بہار آتے ہی گلچیں غضب کیا ۔۔۔ گلشن سے مجھ کو پھینک دیا خار کی طرح
ہنگامِ نزع مجھکو کسی کا ہے انتظار ۔۔۔ آنکھیں کھلی ہیں نرگسِ بیمار کی طرح
محفل میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہمیں ۔۔۔ چپکے کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح
دل سے گیا نہیں ہے تری دید کا خیال ۔۔۔ بیہوش بھی ہوا ہوں تو ہشیار کی طرح
مِسّی کے چھوٹ جانے سے اک بات ہو گئی ۔۔۔ دنداں چمک گئے دُرِ شہوار کی طرح
سچ ہے ملالِ ہجر قیامت ہے اے جدید ۔۔۔ چندے میں زیر ہو گیا بیمار کی طرح

(۱۹)

کچھ عجب حیرت فزا ہے داستانِ اہلِ درد ۔۔۔ ایک دن تو آپ بھی سُنیے بیانِ اہلِ درد
حکمِ ضبطِ آہ ہے ہم سانس بھی لیتے نہیں ۔۔۔ آج پورا ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ درد
یہ دعا ہے دل جگر کو دے خدایا عمرِ خضر ۔۔۔ اب انھیں دونوں سے ہے نام و نشانِ اہلِ درد
لے نہ جائیں غم کو باغِ دہر سے کس طرح ساتھ ۔۔۔ کوئی تو آخر ہو میرِ کاروانِ اہلِ درد

یہ مہما انجام آخر کو تمھارے ظلم سے
جو نہ سُنتے تھے وہ سُنتے ہیں فغانِ اہلِ درد

اب تری زلفوں کی اُلفت انتہا سے بڑھ گئی
آج تو اُلجھا ہوا پایا بیانِ اہلِ درد

موت آتی ہے نہ آپ آتے ہیں لینے کو خبر
آج کل کیسی کشاکش میں ہے جانِ اہلِ درد

ہے عجب تاثیر ویراں ہو گئی ہیں بستیاں
جس طرف پہونچی ہے گردِ کاروانِ اہلِ درد

ہے تجھے انصاف لازم سُن سکے کیونکر جدید
ذکر جب تیرا ہو ہمراہ بیانِ اہلِ درد

(۲۰)

ہوا لطفِ اسیری ختم مجھ وحشی نالاں پر
جو سر ٹکرا چکا مُنہ رکھ دیا دیوارِ زنداں پر

سحر کو وصلِ جاناں گر نہ ہو تو ہاتھ کٹوا دوں
اُداسی وہ نہیں اے دل چراغِ شامِ ہجراں پر

کرو تدبیر کوئی زلزلہ عالم میں آئے گا
زمیں ہلنے لگی ہے اضطرابِ اہلِ زنداں پر

رہے گا پاکدامانی کا شہرہ حشر تک باقی
کہ ہونا تھی جو کچھ وہ ہو گئی یوسف دلاں پر

خبر پھیلی ہے ایسی دست وحشت کی درازی کی
جسے ہم دیکھتے ہیں ہاتھ رکھے ہے گریباں پر

ترے وحشی کسی کا کب بھلا احساں اُٹھاتے ہیں
کبھی تکیہ نہیں کرتے درو دیوارِ زنداں پر

مرے بیسنے پرسشِ اعمال ہو گی حشر آئے گا
یہ سارے معرکے ہوں گے زمینِ کوئے جاناں پر

تم آتے ہو یقیں سب کو ہوا جب ہو گئے قیدی
ذرا سی روشنی دیکھی اگر دیوارِ زنداں پر

اُٹھائے لاش کی ہے دوستوں نے دشمنی ہم سے
پڑا رہنے دیا ہوتا زمینِ کوئے جاناں پر

جدید اچھی نہیں کوئی توقع ان حسینوں سے
یہ ظالم ہیں ترس کھاتے نہیں بیمارِ ہجراں پر

(۲۱)

فقط یہ سوچ کے بیٹھا نہ یار کے در پر
کہ لوگ رشک کریں گے مرے مقدر پر

سرک گیا جو مرے دل کے زخم کا پھاہا
پڑی نقابِ رُخِ آفتابِ محشر پر

کبھی تو رحم بھی اسے اضطراب لازم ہے
ہوس یہ ہے کہ ذرا لیٹ جاؤں بستر پر

ملی نہ ایک لحد کی جگہ ہمیں پس مرگ — تمام عمر بسر کی حضور کے در پر
برا ہو رشک کا یہ خط میں کر دیا تحریر — نگاہِ لطف نہ کرنا کہیں کبوتر پر
یہ اپنا جوشش وحشت بتا بھی رہا معمول — پھرے ہزار مگر دم لیا ترے در پر
پہنچ گیا ترا سر آستانِ حیدر تک — حبیب رشک ہے ہم کو ترے مقدر پر

(۲۲)

نادان ہے بتوں سے جو کوئی لگائے دل — موت آئے، پر کسی پہ الٰہی نہ آئے دل
ہوں ایک دو ملال تو جھیلے جفا سہے — فرقت کے لاکھ غم ہیں کہاں تک اٹھائے دل
تدبیر اس طرح کی بتائے مجھے کوئی — دم بھر شبِ فراق میں آرام پائے دل
سنتا ہوں میں فسانۂ الفت اگر کبھی — بے ساختہ یہ منہ سے نکلتا ہے ہائے دل
رنج و ملالِ عشق بیاں گر کروں حبیب — اتنا کہوں ضرور نہ کوئی لگائے دل

(۲۳)

بلبل کی جان لے نہ کہیں آرزوئے گل — آتا ہے غش قفس میں جب آتی ہے بوئے گل
ہے کثرتِ بہار سے ہر شے میں خوئے گل — اب تو چمن کی خاک سے آتی ہے بوئے گل
صیاد نے نہ حسرتِ بلبل پہ کی نظر — پھر پھر کے دیکھتی ہوئی جاتی ہے سوئے گل
جو اوس تیرے رخ کے پسینے کی پڑ گئی — اے گلعذار ڈوب گئی آبروئے گل
پھولوں سے میرے داغِ جگر بڑھ گئے حبیب — لیتا ہوں میں جو سانس تو آتی ہے بوئے گل

(۲۴)

کیا کیا ستم اٹھائے ہیں اک بیقرار دل — اچھا مزا اگر تجھے ملتے ہزار دل
اک حسن اور لاکھوں کی آنکھیں خدا کی شان — اللہ ایک عشق تمہارا ہزار دل
یہ حاملان عرش سے کہہ دے کوئی ذرا — ہو جائیں ہوشیار کہ ہے بیقرار دل

چین آئے ایک دم تجھے اے برق کیا مجال — میری طرح سے ہو جو ترا بیقرار دل
سب خون ہو گئے آنسوؤں کے ساتھ بہ گیا — آخر اُٹھا سکا نہ غمِ ہجرِ یار دل
کوئی نہیں فغاں جو کرے ساتھ اے حسؔن جدید — فرقت میں یاد آتا ہے بے اختیار دل

(۲۵)

یادِ رُخ آئی مر گئے ہم — دنیا سے دمِ سحر گئے ہم
اُلفت کا نباہ کر گئے ہم — جیتے رہیں آپ مر گئے ہم
تقصیر ہوئی معاف کیجئے — کوچے میں ذرا ٹھہر گئے ہم
دی جان مگر کیا نہ شکوہ — سچ تو یہ ہے کام کر گئے ہم
ہم رنج کی زحمتوں سے چھوٹے — ہاں جی گئے اب کہ مر گئے ہم

(۲۶)

ہم جو ہیں خوش غیر کو افسردہ دل پاتے ہیں ہم — اس نے خطِ شوق لکھا ہے ہمیں جاتے ہیں ہم
ڈوبنا تاروں کا مُرغانِ سحر کا بولنا — اُن کا گھبرا کے یہ کہہ اُٹھنا کہ اب جاتے ہیں ہم
مجھ سے کہتی ہے شبِ فرقت میں یہ میری اجل — جب کبھی پر وقت پڑتا ہے تو کام آتے ہیں ہم
جو بھی لکھا ہے مقدر میں وہ ہوتا ہے ضرور — جس طرف کھینچے لیے جاتا ہے دل جاتے ہیں ہم
موت آ جائے اگر ہم کو تو خوش ہوں اے جدید — اب زیادہ صدمۂ فرقت سے گھبراتے ہیں ہم

(۲۷)

زخم میرے دلِ سوزاں کے سیئے جاتے ہیں — جلتے جاتے ہیں وہ ٹانکے جو دیئے جاتے ہیں
اب خبر لیجئے لاش اٹھتی ہے مجبور ہوں میں — سب مجھے آپ کے کوچے سے لیے جاتے ہیں
اب کہو ابرِ بہاری سے کہ گھر کر آئے — مجھ کو رونے کی اجازت وہ دیئے جاتے ہیں
رشتۂ اُلفت کا رہا ٹوٹ گیا رشتۂ جاں — کفن اربابِ محبت کے سیئے جاتے ہیں

جان پر کھیل گئے ہیں کہ ہو بجلی کو حجاب — آج بازی ترے بیتاب لیے جاتے ہیں

(۲۸)

پر خوف انتہا کی جو راہِ عدم نہیں — پھر کیا سبب جو قافلے والوں میں ہم نہیں
اُٹھ کر تری گلی سے جو پھرتے ہیں در بدر — شاید وہ لوگ واقفِ راہِ عدم نہیں
پوچھا نہ وقت کوچ بھی اہلِ کارواں — اب تو کوئی مسافرِ ملکِ عدم نہیں
ارمان میرے سُن کے وہ کہتے ہیں ناز سے — یہ سب خیال، خواب پریشاں سے کم نہیں
کس طرح ہو نہ شاد کہ زخمی ہے آپ کا — بالیدگی ہے زخم پہ دل کے ورم نہیں
وہ سخت جاں ہوں ذبح مجھے کر کے دیکھ لو — تم خود کہو گے اب مرے خنجر میں دم نہیں
جب سے گیا شباب عجب رنگ ہو گیا — ایسے بدل گئے ہیں کہ گویا وہ ہم نہیں
یا دل کا حال کہہ دیا یا قتل ہو گئے — یا ان کو رحم آگیا، یا آج ہم نہیں
چونکائے گر کوئی تو ذرا آنکھ کھول لے — اتنا بھی اب مریضِ محبت میں دم نہیں
جتنی شکایتیں تھیں خوشی سے بدل گئیں — آپ آئے پوچھنے مجھے اب کوئی غم نہیں

(۲۹)

ستم ایجاد جب کوئی ستم ایجاد کرتے ہیں — تو ملتے ہیں کفِ افسوس ہم کو یاد کرتے ہیں
قیامت کرتے ہیں لاشے کو اُٹھوانے میں کوچے سے — ہماری خاک کو یہ آپ کیوں برباد کرتے ہیں
رہا ہو کر بھی ہے شوقِ اسیری اس قدر باقی — بسر شب کو قریبِ خانۂ صیاد کرتے ہیں
جہاں میں لذتِ دردِ جگر کہ غیر کیا جانے — یہ اُن سے پوچھئے راتوں کو جو فریاد کرتے ہیں
اجل کرتی ہے اس کو یاد جس کو وہ بلاتے ہیں — جہاں کو بھول جاتا ہے جسے وہ یاد کرتے ہیں
سحر تک روزِ زنداں کی بلا آتی ہے پہنچ جاتی ہیں — بتا سکتے شب کا فسانہ کس طرح فریاد کرتے ہیں
جو ہم سے پوچھتا ہے کوئی کیا کرتے ہو زندان میں — قفس کے در پہ کہتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں

(۳۰)

کچھ آج تونے انداز پائے جاتے ہیں گناہگار محبت بلائے جاتے ہیں
بنی ہے جب سے ترے تیرہ بخت کی تربت چراغِ گورِ غریباں بجھائے جاتے ہیں
بہت سے لوگ فقط اس ادا پہ بسمل ہیں وہ قتل گاہ سے تیوری چڑھائے جاتے ہیں
فقط یہ رات کے رونے پہ فخر ہے شبنم یہاں تو دن کو بھی آنسو بہائے جاتے ہیں
کوئی جراحت دل کا شمار تو کر لے یہ کیا غضب ہے کہ ٹانکے لگائے جاتے ہیں
یہ سن کے بڑھ گئی ہے اور قتل کی حسرت مزار آپ کے در پر بنائے جاتے ہیں
حضور ایک نظر دیکھ لیں تو بہتر ہے کہ قتل گاہ سے لاشے اٹھائے جاتے ہیں
انہیں کی تیغ سے ہیں میرے دل جگر زخمی یہی جو غیظ میں تیوری چڑھائے جاتے ہیں

(۳۱)

دل کی خواہش ہے کہ اب مجھ میں توانائی نہ ہو آ کے خود اس نے کہیں کروٹ بدلوائی نہ ہو
آپ سے چھٹ کر کیا کرتا ہوں راتوں کو دعا کوئی یا رب مبتلائے دردِ تنہائی نہ ہو
خود بخود کچھ ہاتھ بڑھتا ہے گریباں کی طرف اے دلِ وحشی کہیں فصلِ بہار آئی نہ ہو
اس لیے دل لے چلا ہے آپکی فرقت کا داغ چاہتا ہے خانۂ تربت میں تنہائی نہ ہو
نزع میں بھی وہ چلے آئیں تو بر آئے امید حالِ دل کہہ دوں اشارے سے جو گویائی نہ ہو
میرے مرنے کا نہیں اس کا ہے عالم کو ملال تیرے در کے پاس تربت کی جگہ پائی نہ ہو
بزم سے اس نے اٹھایا جب یہ سمجھ کر اٹھے تو سہی تو تجھ سے اپنی لاش اٹھوائی نہ ہو

(۳۲)

آزمائے کوئی سوزِ عشق کی تاثیر کو آبلے پڑ جائیں گر چھو لے مری تصویر کو
مر گیا پر یہ گلہ ہے عاشقِ دلگیر کو تونے مارا غیر نے سینے سے کھینچا تیر کو

ڈرتے ہیں لختِ دلِ سوزاں اٹھائیں کس طرح — پاس لالا کر ہٹا لیتے ہیں آتشگیر کو
آپ کا وحشی ابھی جاتا ہے تو آجاتا ہے حشر — کرکے اک نالہ ہلا دے پاؤں کی زنجیر کو
تم نے خود قیدی بنایا تھا سبب مجھے یہ پاس تھا — پاؤں سے اُتری تو سر پر رکھ لیا زنجیر کو
ہو خفا ناحق چلے آؤ گھڑی بھر کے لیے — تم بنا جاؤ مری بگڑی ہوئی تقدیر کو
سلسلہ جوشِ جنوں میں بھی نہ چھوٹا شکر ہے — واں ہیں زلفیں یاں جنبش ہوئی زنجیر کو

(۴۳)

غیر نے اُس شوخ کے گیسو سنوارے رات کو — سانپ لوٹے تا سحر دل پر ہمارے رات کو
نقد تھا نالہ کہ بس ایسا کہ ہل جائے زمیں — خوب رو رو کا قلبِ مضطر نے ہمارے رات کو
کر دیا اندھیر تم نے حسن کے افشاں مانگ میں — آسماں پر شرم سے نکلے نہ تارے رات کو
حال پر قلب و جگر کے مجھ کو رونا آگیا — یوں گرا ہے صدمۂ فرقت کے مارے رات کو
کون ہے کس سے کہیں فرقت میں شکوے اے جدید — دل ہی قابو میں نہیں ہوتا ہمارے رات کو

(۴۴)

کاٹے ہیں گلے بھی تری تلوار نے سر بھی — زحمت نہ ہو قاتل تو کوئی ہاتھ ادھر بھی
ہے شام کو بھی دھیان ترا وقتِ سحر بھی — تو غیرتِ خورشید بھی ہے رشکِ قمر بھی
اللہ شباب آتے ہی بدلے ہیں یہ تیور — ملتی نہیں اب دیکھنے والوں سے نظر بھی
تھیں نزع میں کس کے لیے مضطر مری آنکھیں — پیہم نگہ شوق ادھر بھی تھی اُدھر بھی
کیا دے گا مرا ساتھ بھلا ابر بہاری — آنسو بھی مری آنکھ میں ہیں لختِ جگر بھی
خوش پاؤں کسی دن تو جدید اُن سے یہ پوچھوں — ہو گی نگہ لطف کسی رند ادھر بھی

(۴۵)

اُن کے در تک جب رسائی ہو گئی — ختم راہِ بے نوائی ہو گئی

اور دروازے پہ جائیں کیا مجال	ختم اُسی در پر گدائی ہو گئی
ہنستے ہنستے اُن کو غصہ آ گیا	باتوں باتوں میں لڑائی ہو گئی
مجرمِ اُلفت ہمیں ٹھہرا دیا	اُس طرف ساری خدائی ہو گئی
اُس نے جب سے آنکھ پھیری اے جدید	رنج و غم سے آشنائی ہو گئی

(۴۶)

بیڑیاں جلد منگائے کوئی	اپنا دیوانہ بنائے کوئی
لاش عاشق کی تو اُٹھ جانے دے	ابھی زُلفیں نہ بنائے کوئی
کہہ رہا ہے یہ ترا تیرِ نگاہ	دلِ مضطر کو بچائے کوئی
ہے دمِ نزع اجل آتی ہے	دو گھڑی اور نہ جائے کوئی
یوں تجھے دل میں چھپا کے رکھوں	لاکھ ڈھونڈے پہ نہ پائے کوئی
زخمِ دل کو وہ ذرا دیکھ تو لیں	ابھی ٹانکے نہ لگائے کوئی
وہ مجھے چھوڑ گئے ہیں تنہا	اب مرے پاس نہ آئے کوئی
کیا ہوا اگرچہ کیا قتل جدید	اپنی آنکھیں نہ جھکائے کوئی

(۴۷)

ادا ایسی پسند آئی ہے میری لاش اُٹھانے کی	بلائیں زُلف اُن کی لے رہی ہیں اُن کے شانے کی
نہ اٹھی آپ سے تکلیف میری لاش اٹھانے کی	ہوئیں جب بند آنکھیں کیفیت دیکھی زمانے کی
تمہارے ہجر میں ہم کر رہے ہیں شام سے نالے	زمانے میں دعائیں ہو رہی ہیں نیند آنے کی
نزاکت روکتی ہے رحم جب ترغیب دیتا ہے	کوئی صورت نہیں بنتی مرا لاشہ اٹھانے کی
کئی دن ہو گئے ابرِ بہار آتا ہے گھر گھر کر	اجازت اب ہمیں بھی دیجئے آنسو بہانے کی
وہ سب باہر کر اپنے بعد پوچھی بات دشمن نے	غنیمت ہے کہ بجلی نے خبر لی آشیانے کی

جگہ عالم کی ہے اک آنکھ کے تل میں تعجب کیا   اگر دل میں سما جائیں حسرتیں سارے زمانے کی
جدید اب آپ کو صد حسینوں سے پہونچتے ہیں   مناسب ہے قسم کھا جائیے دل کے لگانے کی

(۳۸)

حضور قدر ہوئی ہے پس فنا میری   بھر آئے اشک جہاں یاد کی وفا میری
پکارتا ہوا پھرتا ہوں سارے عالم میں   کدھر ہیں آپ کہ سنتے نہیں صدا میری
بڑھا یہ ہجر میں زخم دل و جگر کا ورم   کہ پہلوؤں سے سکنے لگی قبا میری
ملاؤ تیغ گلے سے تو سہل ہو مشکل   بہانہ ڈھونڈھ رہی ہے فقط قضا میری
ہزار شکر چلے آئے آپ کھا کے ترس   قبول ہو گئی اس وقت کی دعا میری
کیا یہ ضبط کہ گھٹ گھٹ کے جان دی شب ہجر   کوئی بتائے سنی ہو اگر صدا میری
ملی یہ ذبح میں لذت کہ آ گئی مجھے نیند   کھلی نہ آنکھ تہ خنجر جفا میری
نہ بلبلوں نے کیا گل کے عشق کا دعویٰ   بندھی رہی چمن دہر میں ہوا میری
یہ دو ہیں خلق میں جن سے ہے ہولناک مراد   وہ ایک حشر کا دن اور اک صدا میری
وہ ہوں ضعیف جھکا چرخ لاکھ اے دل زار   کسی طرح نہ مگر سن سکا صدا میری

(۳۹)

مجھ بیاباں مرگ کو روئے بیاباں تو سہی   بال کھولے لاش پر شام غریباں تو سہی
بعد میرے ہو جفاؤں سے پشیماں تو سہی   روئے قاتل اپنے منھ پر رکھ کے داماں تو سہی
تیرے سمجھانے سے بہلتا ہے مرا دل ناصحا   بیچ ڈالوں کافروں کے ہاتھ ایماں تو سہی
آہیں کرنے دو مجھے فرقت میں رونے دو مجھے   ہو تمھیں معلوم لطف برق و باراں تو سہی

ذبح ہونے کا مزا جن کو نہیں وہ اور ہیں
قہقہہ ماروں تہ شمشیر براں تو سہی

(۴۰)

نہ رعبِ حسن میں بہکے کہیں زباں میری — وہ آج آئیں گے سننے کو داستاں میری
تمہارے ظلم کی پھیلی ہے خلق میں یہ خبر — کہ جس کو دیکھئے کہتا ہے داستاں میری
زمیں پہ آپ کے نقشِ قدم ہیں لاکھ جگہ — بتائیے کہ ہو تربت کہاں کہاں میری
تمام خلق میں مشہور ہے وفا و جفا — وہ داستاں ہے تمہاری یہ داستاں میری
یہ کیفیت سحرِ وصل کی نہ بھولے گی — اُدھر وہ آپ کا ہنسنا ادھر فغاں میری
تمہاری حسرتِ دیدار میں یہاں آیا — بتاؤ ورنہ ضرورت تھی کیا یہاں میری

(۴۱)

جس سے پیدا ہو ترا غم وہ خیال اچھا ہے — جو تری وجہ سے پہنچے وہ ملال اچھا ہے
مرضِ ہجر کی ہوگی نہ شکایت مجھ سے — مرتے مرتے یہ کہوں گا مرا حال اچھا ہے
نزع میں آپ جو موجود ہیں بیمار کے پاس — موت یہ کہہ کے پھری جاتی ہے حال اچھا ہے
دیکھیں وہ میری وفا اُن کی جفائیں دیکھوں — کچھ دنوں کے لیے آپس میں ملال اچھا ہے
نزع میں آئے ہیں کیا بات کروں اُن سے جدید — صرف اشارے سے یہ کہتا ہوں کہ حال اچھا ہے

(۴۲)

آوازِ ہم صفیر سے دل بے قرار ہے — ہم ہیں قفس میں باغ میں فصلِ بہار ہے
ہوتا ہے حسن و عشق کا دنیا میں ساتھ نام — میری فنا کی تیری جفا کی پکار ہے
رحمت کی حد نہ اُس کے غضب کی ہے انتہا — اُس کا کوئی حساب نہ اُس کا شمار ہے
کشتے اٹھیں گے تیغِ تغافل کے کس طرح — ناحق میانِ عرصۂ محشر پکار ہے
بھولا جدید لے کے وہ دل کو تو کیا گلہ — تم جانتے نہ تھے کہ وہ غفلت شعار ہے

(۴۳)

چین عاشق ترا کب شام و سحر لیتا ہے
کروٹیں گاہ ادھر گاہ اُدھر لیتا ہے

اور بڑھتا ہے جو وحشت میں ذرا دستِ جنوں
ابھی سامان قیامت کی خبر لیتا ہے

خلق ہے سب ترے وحشی کے لہو کی پیاسی
جام فصّاد مرے خون سے بھر لیتا ہے

مجھ کو تم پوچھنے آتے تو قباحت کیا تھی
ایک کی ایک زمانے میں خبر لیتا ہے

جا کے ہر سمت مری یاس پکار آئی ہے
کوئی اک دردرسیدہ کی خبر لیتا ہے

زندگی نزع کے عالم میں گزرتی ہے جدیدؔ
ہچکیاں شام سے تا صبح جگر لیتا ہے

(۴۴)

جا کے محفل میں جو ہم سوختہ جاں بیٹھ گئے
اس نے کہہ کہہ کے اٹھایا یہ کہاں بیٹھ گئے

وہ ہمیں دیکھ کے اس ناز سے محفل سے اُٹھے
تھام کر ہم دلِ بے تاب و تواں بیٹھ گئے

یوں کبھی گورِ غریباں پہ ٹھہرتے ہی نہ تم
میری تربت کا مٹانے کو نشاں بیٹھ گئے

قصد تھا چرخ کو آہوں سے ہلا دینے کا
اُٹھ کے سو بار ترے سوختہ جاں بیٹھ گئے

غیظ بیکار ہے محفل سے چلے جائیں گے
حالِ دل آپ سے کہنے کو یہاں بیٹھ گئے

دیکھ کے در پہ ستانے کو وہ کہتے ہیں جدیدؔ
یہ تو بتلائیے کیوں آپ یہاں بیٹھ گئے

(۴۵)

ہے عرق ماتھے پہ گیسو رُخ پہ ہیں چھوٹے ہوئے
کس کی پی ہے جان آتے ہو کسے لوٹے ہوئے

روتے روتے دونوں آنکھوں کا یہ عالم ہو گیا
جو کوئی دیکھے کہے ہیں آبلے پھوٹے ہوئے

گو ہے کل کی بات پر معلوم ہوتا ہے مجھے
ہو گئی مدّت تمھاری بزم سے چھوٹے ہوئے

اضطرابِ دل پسِ مردن زیادہ ہو گیا
یہ بتاتے ہیں مرے بندِ کفن ٹوٹے ہوئے

تا سحر فرقت میں کرتا ہوں یہ باتیں یاس کی
کیوں دلِ بیتاب ملتے ہیں کبھی چھوٹے ہوئے

دید کا ارماں نہ نکلا گو وہ آیا لاش پر
وائے ناکامی کہ گیسو رخ پہ ہیں چھوٹے ہوئے

ہم صفیروں کو خبر دے ظلم کی صیاد کے
اے صبا لے جا مرے بازو کے پر ٹوٹے ہوئے

کس طرف جائیں رہائی سے ہوئی تازہ یہ فکر
چپکے بیٹھے ہیں درِ صیاد پر چھوٹے ہوئے

بعد میرے خوب یاران قفس روئے جدید
جس گھڑی دیکھے مرے بازو کے پر ٹوٹے ہوئے

(۴۶)

کسی متاع پر ایسی کہیں نہ لوٹ پڑے
حسین دل پہ مرے ہر طرف سے ٹوٹ پڑے

فراق میں ہوئی مہلت نہ سر اٹھانے کی
دلِ ملول پہ غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے

کمال بے ادبی کی ہمارے نالوں نے
سنا ہے کنگرۂ عرشِ پاک ٹوٹ پڑے

لیے ہے دل کو مرے اس طرح وہ بے پرواہ
میں ڈر رہا ہوں کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹ پڑے

ذرا جو چشم کو ساقی کی ہو گئی گردش
تو بادہ خواروں کے ہاتھوں سے جام چھوٹ پڑے

جدید قلبِ حزیں پر نہ ہو یہ بارِ فراق
مجھے قبول ہے گر آسمان ٹوٹ پڑے

(۴۷)

دوست دنیا سے گئے رشتۂ جاں ٹوٹ گئے
کیوں نہ گھبرائیں کہ ہم قافلہ سے چھوٹ گئے

تو نے کس وقت کیا قصدِ رہائی صیاد
زور جب بازوؤں کا گھٹ گیا پر ٹوٹ گئے

آج زنداں میں گئے تازہ گرفتار اتنے
جا نہ ملنے سے اسیرانِ کہن چھوٹ گئے

بیخودی بڑھ گئی جب دم ترے کوچے سے چلے
نہیں معلوم کہاں قلب و جگر چھوٹ گئے

دلِ بیمار کو صحت تری فرقت میں کہاں
آبلے ہو گئے ناسور اگر پھوٹ گئے

اے جدید آئے وہ دم بھر کو تو کیا حال کیا
دل کی آباد جو بستی تھی اسے لوٹ گئے

(۴۸)

اس تمنا میں ہیں بسمل خلق سے جاتے ہوئے
دیکھ لیں تم کو قیامت کی طرح آتے ہوئے

بدگمانی دیکھئے میں ساتھ آیا دور تک
جس کو دیکھا آپ کے دل کی طرف آتے ہوئے

آج آنکھوں میں وہ گھر کرتے ہیں بھولے ہیں لحاظ
جن کو شرم آتی تھی کل تک سامنے آتے ہوئے

یاد چشمِ مستِ ساقی میں جسے غش آ گیا
حشر تک دیکھا نہ اس کو ہوش میں آتے ہوئے

سچ یہ ہے دنیا میں رعبِ حسن اس کا نام ہے
لوگ جاتے ہیں ترے کوچے میں تھراتے ہوئے

عاشق و معشوق میں اے دل جو ہوتا ہے فراق
زندگی میں پھر کبھی دیکھا ہے مل جاتے ہوئے

ہجرِ جاناں میں ہر اک سے پوچھتے پھرتے ہیں ہم
دل کو دیکھا ہے کبھی تم نے سنبھل جاتے ہوئے

اٹھ رہے ہیں ہر طرف صحرا کے پتھر سرخ ہیں
جوشِ وحشت میں پھرے ہیں سر کو ٹکراتے ہوئے

تھا ہمارا دیوانہ اور افسوس ان کو بھی رہا
کچھ بہم اس لطف کی باتیں ہوئیں جاتے ہوئے

﴿۴۹﴾

کچھ نہ کچھ فکر ادائے رسمِ الفت چاہیئے
تم کو بیمارِ محبت کی عیادت چاہیئے

جن کے دل خوش ہیں انھیں دنیا کی راحت چاہیئے
اے غمِ فرقت ہمیں رنج و مصیبت چاہیئے

سانس بھی لینے کی اے دورِ فلک فرصت نہیں
روح کو تن سے نکل جانے کی مہلت چاہیئے

ضعف میں وحشت کا ساماں ہو سکے دشوار ہے
تا گریباں ہاتھ لے جانے کو قدرت چاہیئے

نزع میں بالیں پہ ہیں وہ رشک سے کیا فائدہ
غیر کو میری طرح مرنے کی حسرت چاہیئے

چارہ گر تا کے لگائے زخمِ تیغِ یار میں
شرم کی جا ہے دل بیتاب غیرت چاہیئے

ملکِ دل میں ہر گھڑی فریاد کا اک شور ہے
نام اس بستی کا میدانِ قیامت چاہیئے

جمع ہیں اپنے پرائے نزع کا ہنگام ہے
دو گھڑی کے واسطے تم کو بھی زحمت چاہیئے

تم غزل گوئی پہ مائل ہو یہ کیا ہوا اے حدید
شعر کہنے کے لیے اچھی طبیعت چاہیئے

﴿۵۰﴾

ٹوٹنے پائے جنوں میں سلاسل بنائیں گے
چھوٹا سا ایک طوق پئے دل بنائیں گے

کس ناز سے وہ کہہ رہے ہیں کر کے لخت لخت　　ہم آج ایک دل کے کئی دل بنائیں گے
اے شوق در پہ یار کے نقشِ قدم ہیں لاکھ　　کس کس مقام پر لحدِ دل بنائیں گے
جل جل کے مر گئے ہیں ہمارے دل و جگر　　دونوں کی تربتیں سرِ ساحل بنائیں گے
مقتل ہم اپنے سینے کو کہتے ہیں اس لیے　　مقتولِ دل کو آپ کو قاتل بنائیں گے
دل کا رہے گا نام شہیدوں میں حشر تک　　تربت میاں کوچۂ قاتل بنائیں گے
ٹھہریں گے دل جگر نہ کہیں لے دیارِ عشق　　یہ حلقہ ہائے زلف کو منزل بنائیں گے

(۵۱)

ہوئی یہ کیفیت شب کو تمھارے روئے روشن سے　　سمجھ کر صبح سب طائر نکل آئے نشیمن سے
پریشاں ہیں گلا مجھ سخت جاں کا کٹ نہیں سکتا　　وہ ماتھے کا پسینہ پونچھتے جاتے ہیں دامن سے
تمھارے وحشیوں نے عشق کا باقی رکھا پردہ　　سبھوں نے جان دی منہ ڈھانپ کے صحرا کے دامن سے
ترے وحشی سے سارے اہلِ صحرا رکھتے ہیں الفت　　جدھر جاتے ہیں ہم کانٹے لپٹ جاتے ہیں دامن سے
ترا سوزاں گیا جس روز سے دستور ہے اب تک　　سحر کو فصلِ سرما میں دھواں اٹھتا ہے گلشن سے
وہ اپنی بزم سے اٹھوا کے بھولے اس طرح ہم کو　　کوئی کانٹا اٹھا کر پھینک دے جس طرح گلشن سے
ہمیں کیا کام ہے ہم کشتۂ تیغِ تغافل ہیں　　قیامت آئی سب نکلے ہیں اپنے اپنے مدفن سے

(۵۲)

جو لوگ تھے ترے کوچے میں کل سے آئے ہوئے　　پڑے ہیں آج وہ تیرِ نگاہ کھائے ہوئے
نہ کھولنا دمِ تلقین ہمارے بندِ کفن　　چلے ہیں گلشنِ ہستی سے منہ چھپائے ہوئے
وہ میری قبر کو پہچانتے تو ہیں بارے　　کہاں طرف سے گزرتے ہیں سر جھکائے ہوئے
ہماری خاک سے بھی احتیاط ہے ان کو　　لحد پہ آئے ہیں دامن کو وہ اٹھائے ہوئے
ہے نزع مجھ کو چلے آؤ تم بھی دم بھر کو　　کہ لوگ سب ہیں مرے دیکھنے کو آئے ہوئے

جو دیدا اس کی گلی میں ذرا ٹھہر جاؤں میں — چلیں تو دست جانا مرا [illegible] ہوئے

(۵۳)

آؤ اب کون یہاں باعث رسوائی ہے — کس سے شرماتے ہو میں جلوۂ شب تنہائی ہے
بلبلیں دور ہیں گلشن سے بہار آئی ہے — صاف ہر داغ جگر لالۂ صحرائی ہے
غیر پامال کریں چاہتے ہیں میں دیکھوں — در پہ اس واسطے تربت مری بنوائی ہے
دل مرا لے گئے ہیں کہتے ہیں مجھ سے ہنس کر — ہم نے آج ایک نئی چیز پڑی پائی ہے
انتہا ہو گئی اللہ ری نزاکت اے دوست — گرمی حسن سے رنگت تری سانولائی ہے
موت کے نام سے ہوتی ہے خوشی مجھکو جمیلؔ — اب یہ جینے سے طبیعت مری گھبرائی ہے

(۵۴)

عجب اندھیر ہوا صبح کے ہو جانے سے — شمع رونق ہوئی رخصت ہوئی پروانے سے
دوستو چپ رہو کیا فائدہ رلوانے سے — دل بھر آتا ہے مرا اور بھی سمجھانے سے
عشق کامل نے مسیحا کا دکھایا اعجاز — نام الفت کا ہے زندہ مرے مر جانے سے
قیس و فرہاد نے دیکھی نہیں ایسی وحشت — منزلوں بھاگ گئے آپ کے دیوانے سے
کوئی بھی بات ہو رونے سے غرض ہے اس کو — حال کیونکر کوئی پوچھے ترے دیوانے سے

(۵۵)

کیا بتائیں اے غم فرقت وہ کیا کیا لے گئے — چلتے چلتے جان لے لی دل ہمارا لے گئے
روح کا نہ ان کام کیا تھا تخلیہ منظور تھا — وصل کے ارماں لحد میں مجھکو تنہا لے گئے
ہم یہاں آئے عدم سے لے کے ارماں ویکا — گلشن فانی سے رحلت کی تمنا لے گئے
بعد مردن بھی نہ سر کا آیا تا دم پہلو سے ہاتھ — عاشق گیسو کچھ ایسی دل پہ ایذا لے گئے
رات دن رونے میں ساری عمر اپنی کٹ گئی — اے فراق یار ہنسنے کی تمنا لے گئے

روتے روتے مر گئے قلب و جگر اپنے جدید   ایک دم رک جائیں آنسو یہ تمنا لے گئے

(۵۶)

ایسے بے رحم ہیں غصہ سے ادھر دیکھیں گے   جب ذرا خشک مرے دیدۂ تر دیکھیں گے
سر تو زانو سے اٹھایا ہے پہ نیچی ہے نظر   دل دھڑکتا ہے نہ معلوم کدھر دیکھیں گے
یوں نہ شرمائیں گے وہ اپنی دل آزاری سے   کچھ تو رحم آئے گا جب داغ جگر دیکھیں گے
امتحاں کے لیے ہر سمت سے ابر آتے ہیں   آج ہم بھی تجھے لے دیدۂ تر دیکھیں گے
آئے اس وقت کہ جب پھر گئیں آنکھیں افسوس   آرزو تھی کہ تمھیں ایک نظر دیکھیں گے
جاتے ہیں خوش ترے عشاق عدم کی جانب   نئی بستی نئی صحبت نئے گھر دیکھیں گے
باغِ جنت تجھے مل جائے گا رہنے کو جدید   نظر لطف سے شبیر اگر دیکھیں گے

(۵۷)

چارہ گر بچنے کی بس یہ آخری تدبیر ہے   اب وہی دل سے نکالے آ کے جس کا تیر ہے
مختصر سا خط میں لکھا ہے شب فرقت کا حال   تین حرفوں میں شکایت درد کی تحریر ہے
ہاتھ کٹواؤں نہ ہو گر آپ کی ترچھی نظر   دیکھیے کج ہے مرے دل میں جو زخم تیر ہے
ایک دم بھی اپنے پہلو سے جدا کرتا نہیں   کس حفاظت سے مرے دل میں تمھارا تیر ہے

۴۸۶

حیاتِ دانش

حکیم مرزا غلام عباس صاحب ایک دیندار بزرگ سرزمین مرشد آباد کے رہنے والے تھے۔ کسی وجہ سے وطن ترک کر کے لکھنؤ میں آ بسے تھے۔ مرحوم کے متعلق زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے اور شاید لکھنؤ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد ان کی زندگی نے زیادہ وفا نہیں کی ۱۸۵۵ء میں خدا نے ان کو ایک لڑکا عطا کیا جس کا نام فدا احمد رکھا گیا۔ اور بڑے ہونے کے بعد جس نے حکیم مرزا فدا احمد دانش کے نام سے شہرت حاصل کی۔

حکیم دانش مرحوم کے متعلق نہایت معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے آپ کی علمی استعداد نہایت بلند پایہ تھی۔ اردو۔ فارسی کا کیا ذکر، آپ کو عربی میں بھی کافی دخل تھا عربی زبان میں نہایت مقبول قصیدے آپ نے نظم فرمائے جو ہمارے پاس بھی موجود ہیں لیکن ان کو ہم اپنے موجودہ موضوع سے غیر مربوط ہونے کی وجہ سے یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ تاہم وہ جس دور میں تھے اور اردو غزل کا اُس زمانے میں جو معیار تھا اس کے پیش نظر دانش مرحوم کو شعرا کی صف اول سے علیحدہ نہیں رکھا جا سکتا دنیا میں نام و نمود کے لیے جن مخصوص اسباب کی لازمی ضرورت ہوا کرتی ہے حضرت دانش مرحوم ان سے محروم تھے اور اسی وجہ سے اُن کے مرجانے کے بعد اُن کے ہمعصروں کے دل سے بھی ان کی یاد محو ہوتی جا رہی تھی، اب امید ہے کہ یہ چند صفحے اور کچھ دن تک مرحوم کو روشناس کراتے رہیں گے۔

حکیم دانش مرحوم نے علم طب کی تحصیل و تکمیل لکھنؤ کے ایک فاضل طبیب حکیم منے آغا صاحب آفتاب مرحوم کے پدر بزرگوار حکیم محمد جعفر صاحب مرحوم سے کی اور دیگر علوم مختلف

صاحبانِ کمال سے حاصل کیے۔ سنا ہے کہ سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے والد مرحوم مولوی سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ سے بھی کچھ تحصیلِ علم کی تھی اور سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہٗ سے خاص طور سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی خدمت میں زیادہ تر حاضر رہنے سے خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب مرحوم کے وہاں کسی محفل میں حکیم صاحب کے قصیدے میں ایک شعر تھا ؎

خیالِ حشر نہیں ظلم کرنے والوں کو　　طویل روزِ جزا بازپرس دم بھر کی

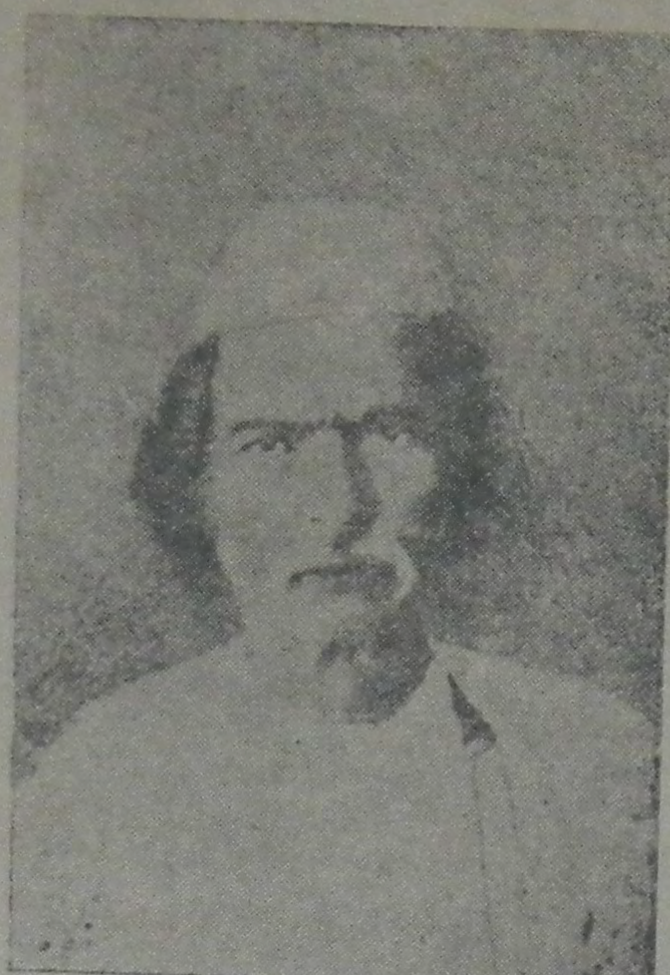
اس شعر پر سرکار ناصر الملت مرحوم نے بہت تعریف کی اور حکیم صاحب مرحوم اپنے اس شعر اور اس کی مدح کو تمام عمر اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے رہے۔

حکیم صاحب مرحوم کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ جس مشاعرے میں بلائے جاتے تھے شرکت ضرور کرتے تھے۔ اپنے ہمعصروں میں اپنے کمالِ فن کی وجہ سے استاد سمجھے جاتے تھے اور نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، نیز اُن کے کلام کو لوگ بڑی توجہ سے سنتے تھے۔

مرحوم نے دو ضخیم دیوان چھپنے کے لیے جمع کیے تھے لیکن امتدادِ زمانہ سے تلف ہو گئے، صرف چند پریشاں اوراق ہم کو دستیاب ہو سکے جن کو یہاں یکجا کر دیا گیا ہے اگر انشاء اللہ کسی وقت وہ کلام ہم کو مل سکا تو ہم اُس کو بھی شائع کرنے کا شرف حاصل کریں گے۔

حکیم صاحب مرحوم کی ایک صاحبزادی تھیں جو باپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں اور ایک صاحبزادے حکیم مرزا مہدی تھے جو باپ کے بعد صرف چند سال زندہ رہ کر راہیِ ملکِ بقا ہو گئے۔ اب صرف ایک پوتے باقی ہیں جو درسِ زندہ کا مشغلہ رکھتے ہیں اور شعر و سخن کی طرف توجہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔

حکیم دانش مرحوم کا ذاتی مکان لکھنؤ کے محلہ ... میں تھا جس میں مرحوم کی عمر کا ایک بڑا حصہ گزرا اور اسی مکان میں ۲۰ ... ۱۹ء میں انتقال فرمایا۔



حکیم مرزا فدا احمد صاحب
دانش لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب حکیم مرزا فدا احمد صاحب دانش لکھنوی

غزلیات

(١)

سب حسرتیں نکلیں جو یہ ارمان بر آیا — ہر شے نظر آئی کہ مجھے تو نظر آیا
کیا حال بنایا ہے مرا دردِ دروں نے — روتا ہے مجھے دیکھ کے کیوں اپنا پرایا
بیتابیٔ فرقت میں کہیں دم نہ نکل جائے — للہ تھم اے درد کہ منھ کو جگر آیا
بیہوش ہوئے دیکھ کے کیوں جلوۂ جاناں — پوچھیں گے کبھی ہوش میں کوئی اگر آیا
بس بس نہیں اب ضبط کی مجبور میں طاقت — دم ہونٹوں پہ اے شدتِ دردِ جگر آیا

(٢)

دل مرا میری طرح جب وقت بسمل ہو گیا — کھنچ کے ابرو بھی شریک نازِ قاتل ہو گیا
کس ادا سے تیر مارا ہے مرے سفاک نے — زخم کھانے میں تماشائے جہاں دل ہو گیا
کیا کہوں میرے سوم میں خوش تھی کیسی میری روح — پھول جو اس نے اٹھایا حسرتِ دل ہو گیا
تھک تھک کے بیٹھا ضعف سے میں جب چلا دو گام بھی — ہر قدم بیمارِ غم کو ایک منزل ہو گیا
کیا عذابِ فرقت کی ایذا سے نکلی میری جان — جیتے جی سامان یہ بھی وقتِ مشکل ہو گیا

(۳)

حوصلہ اُتنا تڑپنے کا دلِ بسمل میں تھا
زور بیرحمی جہاں تک بازوئے قاتل میں تھا

غم کی ایذا رشک کی تکلیف فرقت کی کھٹک
ہر طرح کا درد تڑپانے کو میرے دل میں تھا

خاک میں ہم کو ملانا تھا خرام ناز سے
اعتقاد فتنۂ محشر ہمارے دل میں تھا

ہاتھ کھینچا کہہ کے یہ اہلِ قناعت نے مدام
کاسہ بے آبروئی پُر کفِ سائل میں تھا

سہل سمجھے ہو پر آنا آرزوئے وصل کا
میری مشکل کیونکر آساں ہو اسی مشکل میں تھا

(۴)

زیادہ عمر نہیں اعتبار کرنا تھا
مکاں بنا کے خیال مزار کرنا تھا

تڑپیے خبر مرگ سُن کے عاشق کی!
نہ بے وفا کو مرے اعتبار کرنا تھا

فلک سے پوچھ کے آئے ہیں کوئے جاناں میں
کہ اہتمام برائے مزار کرنا تھا

کہا کسی نے پسِ وعدہ آ کے تربت پر
ہمیں خیال تمھیں انتظار کرنا تھا

عنایتوں کو حضور کریم اے دانش
تمھیں گناہوں سے پہلے شمار کرنا تھا

(۵)

شمع کیوں گریاں تھی کیوں افسردہ دل پروانہ تھا
تذکرہ کس درد کا کس سوز کا افسانہ تھا

آئینہ ساں ہیں تو محو جلوۂ جانانہ تھا
اور دل ہر ہر ادائے یار کا دیوانہ تھا

قابلِ افسوس تھی آبادی اہلِ شعور
جس طرف میں دیکھتا تھا اس طرف ویرانہ تھا

گو بُرا آغاز ہو انجام اچھا چاہیئے
کعبہ کہتے ہیں جسے پہلے یہی بُت خانہ تھا

آج تک ہم نے کسی دلسوز کو دیکھا نہیں
جس قدر ممتاز رسم ضبط میں پروانہ تھا

اعتبار وعدۂ معشوق پھر بہر وصال
درحقیقت اے نفور شوق میں دیوانہ تھا

ابتدائے انتہائے عشق نامعلوم ہے
عاشقوں میں ایک مجنوں تھا تو وہ دیوانہ تھا

دل مرا ہوگا اُسی سفاک کا بیمار عشق
جس کی آنکھوں پہ فریب نرگس مستانہ تھا

(٦)

دم گیا ہجر میں بُرا نہ ہوا
دل مگر درد آشنا نہ ہوا

کیا کہیں تجھ سے تیری اُلفت میں
کیا ہوا ہم پر اور کیا نہ ہوا

کون سا دل ہے زیر گردوں جو
تودۂ ناوک جفا نہ ہوا

سب کرنے لگے بُرائی ہم
جب بھلائی سے بھی بھلا نہ ہوا

پردہ در ہے نگاہ شوق مری
یہ نہ کہنا کہ سامنا نہ ہوا

یاد رکھیں گے ہم قیامت تک
وعدہ پورا کوئی ترا نہ ہوا

پاس پندار یار کی حد ہے
خون دل کا ہوا گلا نہ ہوا

تیر تھا وہ تری نگاہ نہ تھی
دل بسمل سے جو جدا نہ ہوا

(٧)

دہشت نہ باغباں کی نہ کھٹکا ہے خار کا
ہے وحشیوں کے ہاتھ میں دامن بہار کا

کیوں دم بھروں نہ وعدہ فراموش یار کا
میں لطف اُٹھا چکا ہوں شب انتظار کا

یاد آتی ہے زمانِ ولادت کی سرنوشت
خط دیکھتا ہوں جب کسی لوحِ مزار کا

مُنھ کو کلیجا آتا ہے اے ہجر کیا کہوں
جو حال راحت سے ہے دل بیقرار کا

مل بیٹھو دو گھڑی جو زمانہ وفا کرے
کیا اعتبار زندگی مستعار کا

بے ساختہ تمھارے بھی آنسو ٹپک پڑیں
دیکھو تو جوش گریۂ بے اختیار کا

کی تم نے میرے سامنے میرے عدو سے بات
اک آبلہ زباں پہ ہے دل کے بخار کا

ہے انتہائے غفلت دنیا کی غافلو
ہنستا رہا چراغ ہمارے مزار کا

کیوں دیکھتے ہو اب مجھے نیچی نظر سے تم
ہے تھاؤ دل میں سُرمۂ دنبالہ دار کا

درد آشنا

داغش صراط سے جو گزرتا ہے مثل برق — چھوٹے نہ زین ہاتھ سے دلدل سوار کا

(۸)

الزام یار نے عوض خون بہا دیا — دامن چھپا کے دست حنائی دکھا دیا
تڑپا کے دل کو درد کا ایسا ہے یار سے — تیر نظر کو تیرے نشانہ دکھا دیا
وعدہ خلاف یار کے آنے کا انتظار — میرے اس اعتبار نے مجھکو مٹا دیا
بوئیں نہ کب تک اے دل اپنا اسپند ہم — درد فراق نے تو کلیجا پکا دیا
داغش طلب نہیں کسی شے کی غنی ہیں ہم — سب کچھ ہمارے گھر میں ہے اللہ کا دیا

(۹)

نزع میں ہو جائے گا یاد رخ جاناں کرنا — حفظ منظور اگر ہے ہمیں قرآں کرنا
عالم نزع میں بھی میری زباں پر ہے یہی — آپ کو سہل ہے مشکل مری آساں کرنا
میت عاشق ناشاد کے ہمراہ چلو — تم کو لازم ہے کوئی کار نمایاں کرنا
آپ کا تیر ہو یا ناوک ناز و انداز — چاہیے دل سے ہمیں خاطر مہماں کرنا
رات بھر صورت شبنم نہیں تھمتے آنسو — راس آیا نہ فلک کو ہمیں گریاں کرنا
عمر اظہار غم و درد میں گزری داغش — مگر اب تک نہ چھٹا نالہ و افغاں کرنا

(۱۰)

نوح سے بھی کچھ فزوں دنیا میں طوفاں دیکھنا — جوش پر آئے گی جس دن چشم گریاں دیکھنا
ڈر ہے خنجر چھٹ نہ جائے ہاتھ سے سفاک کے — تو نہ قاتل کی طرف اے چشم حیراں دیکھنا
گو زبانی ہو مگر تم کر تو لو اقرار وصل — پاؤں پھیلاتے ہیں کیا کیا دل میں ارماں دیکھنا
بارہا ہیں دیکھ کر شاہوں کی آنکھوں نے کہا — یاد ہے ویرانی گور غریباں دیکھنا
صدق نیت پر ہے اے داغش مدار یاد یار — واعظوں کا چاہیے خلوت میں ایماں دیکھنا

(١١)

دکھائے عاشق و معشوق میں تکرار ہو جانا
کشیدہ ہو کے ابرو کا ترے تلوار ہو جانا

کلیم اللہ نے جلوے نہ برق طور کے دیکھے
خدا کی شان ہے اس بت سے آنکھیں چار ہو جانا

لجا حبت سے کہا کرتا ہے چشم لطف کا طالب
کبھی میری طرف سے لے نگاہ یار ہو جانا

تعجب ہے کھٹکتا ہے زمانے کی نگاہوں میں
مرے دل کا تمھاری آنکھ کا بیمار ہو جانا

نہ پوچھو حال اپنے منتظر کا تم شب وعدہ
کبھی بیہوش ہو جانا کبھی ہشیار ہو جانا

زباں سے بیخودی عشق کی لذت نہ جائے گی
ترے بیہوش نے سیکھا نہیں ہشیار ہو جانا

(١٢)

شب وعدہ تو نہ آنا مجھے اضطراب ہوتا
تری چشم سرمگیں میں نہ مگر حجاب ہوتا

مجھے لطف زندگانی ترے ہجر میں کہاں ہے
کوئی میری جان لیتا تو بڑا ثواب ہوتا

شب وصل یہ تمنا مرے دل کو کیا ہوا ہے
کوئی محو دید ہوتا کوئی محو خواب ہوتا

شب ہجر کی درازی اسی حال میں گزاری
کبھی دل میں درد ہوتا کبھی اضطراب ہوتا

یہ کہاں مرا مقدر کہ میں منھ سے منھ ملاتا
ترے دست نازنیں میں قدح شراب ہوتا

نہ شریک درد ہوتی جو تمھاری بیوفائی
مرا حال اس قدر کیوں مری جاں خراب ہوتا

یہ کمر ہوئی خمیدہ کہ ملا ہے سر قدم سے
نہ مرا شباب جاتا نہ یہ انقلاب ہوتا

وہی خوف بیوفائی وہی آنکھ موڑ لینا
کبھی تم مرے ہوئے تھے جو مرا شباب ہوتا

ہے کس آنکھ میں یہ قدرت کہ جمال یار دیکھے
یہ جہاں الٹ نہ جاتا جو وہ بے نقاب ہوتا

(١٣)

تا زندگی اے بیوفا عاشق ترا مشکل میں تھا
تیرا ارادہ اور تھا کچھ اور اس کے دل میں تھا

نکلا کبھی یا رہ گیا مانند خار جاں گزرا
ارماں وصال یار کا اے آسماں جب دل میں تھا

شمعِ رُخِ ضو بار پر پروانہ تھے شام و سحر
لیکن کہاں اس کی خبر کون آپ کی محفل میں تھا

یہ بات ہے مانی ہوئی ذات اس کی لاثانی ہوئی
کہہ کے پشیمانی ہوئی فکرِ حق و باطل میں تھا

افسانۂ غم سُن چکے غصے سے سر بھی دھن چکے
مضمون کے گُل چُن چکے ہم کھو کے جو کچھ دل میں تھا

دیکھا نہ مڑ کے بھی ادھر بیتاب ہے قلب و جگر
بسمل بنانے کو مگر دم خنجرِ قاتل میں تھا

لے آسماں یہ واقعہ پھر دور میں تیرے ہوا
محشر بپا تھا جا بجا دانش تری محفل میں تھا

(۱۴)

قصدِ مایوسانِ وصلت کیا کریں فریاد کا
آسماں پر جائے گا نالہ دلِ ناشاد کا

ہے زبانِ تیغ پر کیوں غُل مبارک باد کا
پاؤں سینے پر کسی بسمل کے ہے جلاد کا

ہم قفس میں گاہ گہہ صیاد کے گھر میں اسیر
پوچھتے ہو کیا نشیمن خانما برباد کا

اے دلِ شیدائے عاشق مرحبا صد مرحبا
بھولنے والوں میں بھی چرچا ہے تیری یاد کا

کیوں چھپا ہیں عاشق و معشوق کا رازِ نیاز
قہقہے پھولوں کے شیون بلبلِ ناشاد کا

کب تلک اے جوشِ محبت تو رُلائے گا مجھے
ایک دن دامن نہ سوکھا مائلِ فریاد کا

داورِ محشر سے میں کیا طالبِ انصاف ہوں
سامنا ہے قاتلِ عالم کا دن ہے داد کا

سُن کے دانش کی غزل کہتا ہے ہنس ہنس کے وہ شوخ
دل دکھانے پر بھی یہ ظالم ہے خواہاں داد کا

(۱۵)

شبِ فرقت زیادہ جاں سے اے دردِ جگر ہونا
دکھاتا ہے ادھر کی آج دنیا کا اُدھر ہونا

تری بے اعتنائی سے فلک کی کج ادائی سے
بلائے جاں ہے اس عمرِ دو روزہ کا بسر ہونا

بہائے ہیں بہت آنکھوں سے آنسو ہم نے صحرا میں
خجل تو ابرِ رحمت سے نہ اے دامانِ تر ہونا

پریشاں ہو گئے گلشن میں ورق پھولوں کے پھیلے ہیں
مبارک ہو تمہیں اے بلبلو بے بال و پر ہونا

ابھی تو رات باقی ہے کہاں چلتے ہو پہلو سے
مرے چاکِ گریباں کو دکھا دیتے سحر ہونا

نہ عرش پر ہیں جو ہے اُسے دانشؔ تعجب ہے — دلِ عاشق میں اُن سے بے وفا کا جلوہ گر ہونا

(١٦)

بیاں پروانۂ جانسوز سے ہے شمعِ محفل کا — نہ لازم تھا جلانا تجھ سے عاشق کو مرے دل کا
خدا کا شکر نکلا دم کے ساتھ ارمان بسمل کا — میں سمجھا تھا کہ پھر اوچھا پڑے گا ہاتھ قاتل کا
نہ اُفتادہ ادا میں دیکھ کر بھی اُس ستمگر کی! — اگر دردِ جگر کچھ پاس کرتا حسرتِ دل کا
جگر کو دیکھنے والوں کے منھ تک کھینچ لاتا ہے — جدائی کی گھڑی مل مل کے رونا دردِ دل کا
دکھا کے مجکو بولے تم اسے بھی پیار کرتے ہو — جو آئینہ میں دیکھا دوسرا اپنے مقابل کا
بجز اس قاتلِ بے رحم کے دیکھے گا کیا کوئی — تڑپنا قلبِ مضطر کا پھڑکنا مرغِ بسمل کا
رُلایا شمع ساں سب کو بیانِ درد نے تیرے — بس اے دانشؔ کہ اب کچھ اور ہی ہے رنگ محفل کا

(١٧)

وہ دل کون سا ہے جو محزوں نہ ہوگا — کسی کا کوئی مثلِ گردوں نہ ہوگا
وفا میں رقیبوں سے تجھ پر جفا میں — لہو دل نہ ہوگا جگر خوں نہ ہوگا
جفا سے زیادہ ہے کہنا کسی کا — لباسِ وفا مجھ پہ موزوں نہ ہوگا
گزارو شبِ وصل آرائشوں میں — تمنائے دل کا مرے خوں نہ ہوگا
کیا مر کے افشائے رازِ محبت — ترا کشتۂ عشق مدفوں نہ ہوگا
ستاؤ نہ اتنا کہ بیٹھ آہ کھینچوں — زمیں پہ نہ ہوگی یہ گردوں نہ ہوگا

(١٨)

دانشؔ جو اُلفت سے کامل میں رہ گیا — تھک کے وہیں تو عشق کی منزل میں رہ گیا
ناوک نگاہِ ابروئے قاتل میں رہ گیا — پھر مرنے سے حسرتِ دیدار بھی دل میں رہ گیا
باقی ہی کا نقشِ قدم دل میں رہ گیا — ہمراہ جو کوئی کسی مشکل میں رہ گیا

مدت کے بعد کاہش دردِ جگر گئی　　اچھا ہوا کہ تیر ترا دل میں رہ گیا
موسیٰ نے آگ مانگ کے سب کو دکھا دیا　　داغ انفعال کا کفِ سائل میں رہ گیا
خاموش شمع ہو چکی پروانے جل چکے　　باقی کوئی ستم تری محفل میں رہ گیا
بسمل سے کچھ تڑپنے میں شاید کمی ہوئی　　پھر کیا سبب بل ابروئے قاتل میں رہ گیا
پیکان تیر یار ہو یا دردِ عشق ہو　　راحت اُسی سے ہے جو مرے دل میں رہ گیا
افسوس عمر بھر کے ہر آرام سے چھٹا　　کس کا خیال تھا جو مرے دل میں رہ گیا
اس ہاتھ کے نثار فدا اس نصیب کے　　کس کا خیال تھا جو مرے دل میں رہ گیا

(۱۹)

پھرتا ہوں کو بکو میں عبث ڈھونڈھتا ہوا　　اُس دل کو جو نشانۂ تیر ادا ہوا
اتنا تو ہوا اثر پس مرگ غریقِ عشق　　وہ دیکھنے کہیں مرے عاشق کو کیا ہوا
طولِ شب فراق کی بے چینیاں بڑھیں　　ہمراہ دردِ دل کے مرا دم خفا ہوا
حسرت پسند دل سے گزرتا ہے خوش چلا ہے　　ناوک ترا جگر کو مرے دیکھتا ہوا
پروانہ دل کے شمع سے کہتا ہے وقت سوز　　اے ضبط عشق میں ترے حق سے ادا ہوا
محفل میں غم کی بادہ نہیں خونِ دل سے کم　　ساغر سے کہہ رہا ہے یہ شیشہ جھکا ہوا
کوتاہ قسمتی سے زلیخا کی خوف ہے　　اوچھا پڑے نہ دست تمنا بڑھا ہوا
اے وقتِ نزع تو ہی بتا کیا کریں گے ہم　　بالیں پہ آج بھی جو نہ وہ بے وفا ہوا
اب تو بتوں کے ظلم سلاتے ہیں قبر میں　　پھر ہم کبھی اٹھیں گے جو حکمِ خدا ہوا
بیجا ہے قیس و وامق و فرہاد کا خیال　　دانش تم اپنی فکر کرو جو ہوا ہوا

(۲۰)

خیال کرکے تغافل شعارِ قاتل کا　　شب فراق تڑپنا نظر میں ہے دل کا

زباں سے روزِ جزا نام لے کے قاتل کا — خدا گواہ ہے جو حال ہے مرے دل کا
شبِ فراق تو کچھ ایسی سخت رات نہ تھی — تجھے پکاریں گے وقت آئے گا جو مشکل کا
رہی ہے حسرتِ مردہ کی قبر پر روشن — سراجِ بزمِ طرب تھا چراغ جس دل کا
نگاہ اٹھ کے جو لڑتی ہے اس ستمگر سے — خدنگ بیٹھ کے کرتے ہیں فیصلہ دل کا
ہوائے موت موافق ہو دیکھئے کس دن — جہازِ عمرِ رواں منتظر ہے ساحل کا
تمام عمر تڑپتے رہو گے اے دانش — پڑا نہ آج بھی پورا جو ہاتھ قاتل کا

(۲۱)

نامہ تجھ کو بھیج کے میں درحقیقت شاد تھا — چاک کرنا کام تیرا اے ستم ایجاد تھا
کیوں نہ ہوتا خوف مجھ سے سخت جاں کو ذبح کا — دستِ نازک میں تمہارے خنجرِ فولاد تھا
شکوہ کس کا تم کیا کرتے ہو اے فریادیو — آسماں کیسا اسی کا ہر ستم ایجاد تھا
کس زباں سے میں بیاں کرتا انھیں روزِ جزا — خواب سا بھولا ہوا ہر واقعہ کچھ یاد تھا
آشیاں میں بھی تڑپنے کا زمانہ تھا یہی — جن دنوں میری طرف سے بے خبر صیاد تھا
کیوں قتیلوں میں نہ ہوتی عید مرنے کی مرے — آپ خوش تھے ہر طرف شورِ مبارکباد تھا
دانشِ میکش کی محفل میں ہمیشہ شغلِ مے — زیرِ دورِ دائمی چرخ [illegible] آباد تھا

(۲۲)

جانِ حزیں سے ہونٹوں تک آیا نہ جائے گا — آئی تو پھر کے ضعف سے جایا نہ جائے گا
آدم کا حوصلہ تھا کہ چھوڑا بہشت کو — کوچے سے تیرے عاشقِ شیدا نہ جائے گا
ابرو چڑھا کے دیکھ ہی لیں گے وہ اک نظر — تیر ان سے کیا کماں میں [illegible]
قاصر ہے گو زبان [illegible] — کیا زخمِ دل بھی [illegible]
کیونکر کہوں [illegible] گی جدا — ہمت اگر [illegible]

اے دل سمجھ نکلتے ہیں یہ کس کی یاد میں — نظروں سے آنسوؤں کو گرایا نہ جائے گا
ہر دم ہے یہ اشارہ تیغ نگاہ یار! — دانش سے وار اس کا بچایا نہ جائیگا

(۲۳)

تخت باقی ہے سکندر کا نہ افسر رہ گیا — ٹھوکریں کھانے کو لیکن کاسہ سر رہ گیا
میرے گھر میں شب کو آتے آتے دلبر رہ گیا — وائے ناکامی رسا ہو کر مقدر رہ گیا
حال قاتل کی اسے یاد آئی شاید وقت ذبح — چلتے چلتے گردن بسمل پہ خنجر رہ گیا
نالے دو اک دل سے کھینچے تھے کہ ان کا ضبط — کوچۂ جاناں میں برپا ہو کے محشر رہ گیا
ذبح قاتل نے کیا غیروں کو اپنے ہاتھ سے — دل ہمارا صورت بسمل تڑپ کر رہ گیا
اے تپ غم چشم دشمن میں کھٹکنے کے لیے — خار صحرا بن کے میرا جسم لاغر رہ گیا
نامہ بر کو موت آئی کس جگہ پر دیکھنا — جب مکان یار اے دل دو قدم پر رہ گیا
فوق ہے سب پر تجھے اے تیغ ابروئے صنم — جب ہلال چرخ تجھ سے دل میں کٹ کر رہ گیا
آج پھر رحم آ گیا قاتل کو میرے حال پر — کہنیوں تک آستینوں کو چڑھا کر رہ گیا
لیلیٰ و مجنوں کی صورت قصۂ الفت مرا — مثل افسانے کے لوگوں کی زباں پر رہ گیا
دل نہ نکلا گیسوئے جاناں سے دانش کا کبھی — کوچۂ ظلمت پسند آیا سکندر رہ گیا

(۲۴)

ہو مبارک تجھکو آئینہ مری جاں دیکھنا — اور ہم کو ہر سحر یہ روئے تاباں دیکھنا
نوح سے بھی کچھ فزوں دنیا میں طوفاں دیکھنا — جوش پر آئے گی جس دن چشم گریاں دیکھنا
ڈر ہے خنجر چھوٹ نہ جائے ہاتھ سے سفاک کے — تو نہ قاتل کی طرف لے چشم حیراں دیکھنا
رہ گئے ارمان جن کے سیکڑوں تیر نگاہ — فرض کیا تھا تم کو زخمی دل میں پیکاں دیکھنا
گو نہ بانی ہو گا تم کر نہ لو اقرار وصل — پاؤں پھیلاتے ہیں کیا کیا دل میں ارماں دیکھنا

بارگاہیں دیکھ کر شاہوں کی آنکھوں نے کہا　　یاد ہے ویرانیِ گورِ غریباں دیکھنا!
اے زلیخا ان نگہبانوں سے تو نے کیا کہا　　روئے یوسف دیکھنا یا قفلِ زنداں دیکھنا
اے جنوں تا زندگی وہ کیوں نہ زنداں میں رہے　　جس کی قسمت میں نہ ہو سیرِ گلستاں دیکھنا
صدقِ نیت پر ہے اے دانشؔ مدار یاد یار　　واعظوں کا چاہیے خلوت میں ایماں دیکھنا

(۲۵)

گو ہوس دنیا کی تھی شاہوں کے ساماں دیکھ کر　　مر گیا دل غربتِ گورِ غریباں دیکھ کر
ہے جنونِ عشق میں ایذا کو راحت پر فروغ　　خارِ صحرا کا خیال آیا گلستاں دیکھ کر
نیند گہری تھی کچھ ایسی خفتگانِ قبر کی　　پھر نہ چونکے موت کا خوابِ پریشاں دیکھ کر
اے دو رنگیِ جہاں مجھکو خیال آیا ترا　　گل کو خنداں دیکھ کر شبنم کو گریاں دیکھ کر
کھینچے کے تھے جو ناوک وہی رونے لگے　　دل کے گہرے زخم میں پیوست پیکاں دیکھ کر
مجھکو کیا کہتے ہو تم اپنی خبر پہلے تو لو　　زلف کو دیکھا مرا حال پریشاں دیکھ کر
سورۂ یوسف میں ہے تصویر حسن و عشق کی　　روز پڑھنا چاہیے عاشق کو قرآں دیکھ کر
اُن سے کیوں کرتے ہو تم اے واعظو ذکرِ جناں　　جو ابھی آئے ہیں رنگِ کوئے جاناں دیکھ کر
اے زلیخا تو نگہبانوں کو بھی تعزیر دے　　شکل یوسف دیکھتے ہیں قفلِ زنداں دیکھ کر
التماس دانشؔ گمراہ ہے اے سالکو　　راہ چلنا چاہیے تا حدِ امکاں دیکھ کر

(۲۶)

خوف ہے چاک نہ ہوں راز کے داماں قاتل　　ورنہ ہوتے مرے ہاتھ اور یہ گریباں قاتل
خونچکاں ہاتھ میں تلوار ہے سرخ آنکھیں ہیں　　ہم سے کیا عہد ہمارا یہی تھا یہی پیماں قاتل
نعشِ مقتول کوئی آکے اٹھالے جائے　　ہے بڑی دیر سے انگشت بہ دنداں قاتل
ماتمِ کشتۂ حسرت نے رلایا سب کو　　سینہ زن گاہ ہے گہہ چاک گریباں قاتل

آرزو ہے نہ خنجر بھی تعجب کی ہے جا دل بسمل کا نکالے کوئی ارماں قاتل
بار ہو جاتی ہیں ہر دل سے نکل کے آہیں کھینچتا ہے مرے سینے سے جو پیکاں قاتل
دست نازک سے نکالے ہیں جو دو ایک تو کیا دل بسمل میں بہت ہیں ابھی پیکاں قاتل
دم مذبوح بہ تعجیل نکلتا نہیں کیا حال بسمل سے زیادہ ہے پریشاں قاتل

(۲۷)

کیا شکایت آسماں کی لے دل نالاں کریں حسرتیں کس کی نکلتی ہیں جو ہم ارماں کریں
آسماں نے متصل جام مئے فرقت دیئے مقصد تھا دل میں کہ تیرے وصل کا ساماں کریں
عاشق و معشوق میں ہے فرق حزن و انبساط گل کو وہ خنداں کریں شبنم کو ہم گریاں کریں
سر جھکا کے ہائے کس حسرت سے کہتے ہیں اسیر دیکھیے صیّاد کس دن وا در زنداں کریں
مل چکی ہیں خاک میں جتنی امیدیں ملیں تھیں آرزو کس چیز کی کس چیز کا ارماں کریں
طے تو ہو صحرائے غم اس آسماں کے دور میں سیر گلزار طرب کیا اے دل نالاں کریں

(۲۸)

آہ بھی کر نہ سکوں اشک بہا بھی نہ سکوں غم نہ دے اے فلک اتنا کہ میں کھا بھی نہ سکوں
قابل گریہ ہے اس ضبط کے ہاتھوں مرا حال چار آنسو غم فرقت میں بہا بھی نہ سکوں
گوش زد کیا نہیں افسانۂ خلد و آدم اپنے کوچے سے نکالو تو پھر آ بھی نہ سکوں
شمع دل کو تو بنایا ہے بتوں کے غم نے لو لگاؤں میں خدا سے تو لگا بھی نہ سکوں
دانش اس آئینۂ دل کی صفا کے صدقے میں کوئی بات بناؤں تو بنا بھی نہ سکوں

(۲۹)

یہ ہم سب کے میاں کعبہ و بت خانہ کہتے ہیں نہ جن کا سر میں سودا ہے عبث دیوانہ کہتے ہیں
سُنو لے واعظو جو پاک باطن ہیں زمانے میں روش مستانہ ان کی ہے سخن رندانہ کہتے ہیں

دم آخر وہ کیا ہے آنکھ سے ڈھلتا ہے آنسو کا — جسے لبریز اپنی عمر کا پیمانہ کہتے ہیں
کسی فقرے پہ ہنستے ہو کسی جملے پہ روتے ہو — بیاں کرتے ہیں حالِ دل کہ ہم افسانہ کہتے ہیں
چھلکتا جام دے کے دستِ زاہد میں کہا میں نے — جہاں آج آپ بیٹھے ہیں اسے میخانہ کہتے ہیں
پریشانی کی حد ہے انتہا بربادیٔ دل کی — کہ اس معمورۂ دنیا کو ہم ویرانہ کہتے ہیں
وہ گرنا لڑکھڑا کے مجھ پر اس کا اور یہ کہنا — ہماری اس ادا کو لغزشِ مستانہ کہتے ہیں
حقیقت میں بڑی تاثیر ہے عشقِ حقیقی میں — زبانِ شمع کو سوزِ دلِ پروانہ کہتے ہیں
سمجھ کے کعبہ سجدے کو جھکے تھے تم تو اے دانش — بھلے کو کہہ دیا دل نے اسے بت خانہ کہتے ہیں

(۳۰)

سنبھالے سے کہیں بیمارِ فرقت بھی سنبھلتے ہیں — مریضانِ محبت کے بمشکل دم نکلتے ہیں
قفس میں جب سے اے صیاد ہوں یادِ نشیمن میں — دباتا ہوں اگر اک آنکھ سو آنسو نکلتے ہیں
کہاں ہم سے اسیرِ غم کہاں محفل حسینوں کی — خوشی تیری ترے کہنے سے اے دل خیر چلتے ہیں
شباب اے نوجوانو حاصلِ عمرِ دو روزہ تھا — بہت مدت سے ہم بیٹھے کفِ افسوس ملتے ہیں
بہ مجبوری انہیں بھی دیکھتے ہیں آج ہم دانش — سحر سے شام تک جو رنگ دنیا کے بدلتے ہیں!

(۳۱)

جب یہ معلوم ہو پھر عشق میں مشکل کہاں — کون ہے معشوق آیا ہے ہمارا دل کہاں
وسعت اتنی تیرے کوچے میں ہے اے قاتل کہاں — یہ تو کہہ دل کھول کے تڑپیں ترے بسمل کہاں
رات فرقت میں گزاری دم نہ نکلا کیا کہیں — اب کسی کو منہ دکھانے کے ہیں ہم قابل کہاں
ہے زمین و آسماں کا فرق حسن و عشق میں — شہرتِ قاتل کہاں آوازۂ بسمل کہاں
وصل کیسا بزم میں بھی اس کی جا سکتے نہیں — ہم سے سرگشتہ کہاں معشوق کی محفل کہاں
ہائے کیوں پوچھا نہ ہم نے مرتے دم فرہاد سے — پیش آئی عشق میں آخر تمہیں مشکل کہاں

روح جاتی ہے برائے سیر یا سوتے ہیں ہم — بند رہتا ہے در زندان آب و گل کہاں

(۴۲)

یہ جانا بعد مردن پاؤں پھیلانے سے تربت میں — کمی تھی تنگیٔ زنداں سے بھی دنیا کی وسعت میں
نقاب اُلٹے رُخِ روشن سے میرا رشکِ یوسف بھی — گراں تر جنسِ دل لایا ہوں بازارِ محبت میں
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کیا چُن رہا ہوں تیرے کوچے میں — مجھے کچھ دل کے ٹکڑے پیش کرنا ہیں شہادت میں
مسافر نے گزاری رات آہ سرد بھر بھر کے — ہوا صبحِ وطن کی جب نہ پائی شامِ غربت میں
بنایا کس لیے تھا کیوں بگاڑا خود انہیں کیوں دیں — کسی مخلوق کا کیا دخل خالق کی مشیت میں
لحد سے اُٹھ کے وسعت دیکھیے صحرائے محشر کی — چلا ہے آج دیوانہ تمہارا جوشِ وحشت میں
عیاں کرتے ہیں اس کو لب سر پر رکھ کے اے آتش — نہاں تھی جو بلندی مختشوں کی پائے منت میں

(۴۳)

سُن تو لو گو اے سہ انور تمہیں فرصت نہیں — کام کی کچھ بات ہے افسانۂ فرقت نہیں
جان دے دینا بہت آسان ہے اے دردِ عشق — میں گزاروں رات فرقت کی مری ہمت نہیں
اُٹھتے ہی ساقی کی چشمِ مست کے وہ بھی اُٹھا — دردِ دل کو اب میں روکوں یہ مری طاقت نہیں
کیا شکایت طول کی اے جُرعہ نوشانِ وصال — حد تعزیر محبت ہے شبِ فرقت نہیں
جان کیا نکلی کہ نکلے دل سے ارمانِ وصال — مرنے والے کو کوئی خواہش کوئی حسرت نہیں
اے شبِ غم وہ اٹھائے بارِ فرقت کس طرح — سانس لینے کی بھی جس بیمار میں طاقت نہیں
بزم آرائے کرم جو تھے یہ ان کا حال ہے — لوگ کہتے شمع گریاں تا سرِ تربت نہیں
حضرت یوسفؑ خدا کی شان ہے حُسنِ ملیح — نام رکھوں میں کسی کو یہ مری عادت نہیں

(۴۴)

مرے حال پریشاں پر کہاں تم غور کرتے ہو — تجھے تسکین دیتے ہو کہ میں بتاب ہوں اور کرتے ہو

تمھیں ہر زخم خنداں کا دکھانا ہنس کے زیبا تھا — اُسے اے حضرت دل تم شکر ادا کرتے ہو
ہلا کے سامنے رکھتے ہو سر زانو پہ دشمن کا — کسی پہ رحم کرتے ہو کسی پر جور کرتے ہو
غریق بحر حیرت ہوں نہ کیونکر سامنے میرے — کبھی کچھ فکر کرتے ہو کبھی کچھ غور کرتے ہو
مجھے ڈر ہے کہیں بجلی نہ میری آہ سوزاں ہو — اشارے بزم میں غیروں سے تم بے طور کرتے ہو

(۴۵)

آزار دل سے کوئی ایسا تو ناتواں ہو — ہر بات ناصحوں کی جس کو بہت گراں ہو
مائل کیا ہے ایسا کس کی ادا نے دل کو — جو دیکھتا ہے مجکو کہتا ہے تم کہاں ہو
لا انتہا ستم ہیں پیری میں آسماں کے — پھر تم تو اے مری جاں نام خدا جواں ہو
آئے ہو وقت آخر بیٹھے ہو منھ پھرا کے — اس سے بد اتفاقی جو دم کا میہماں ہو
کیونکر نکلتی نہ آتش امید وصل جاناں — آخر مکان دل کا کوئی تو پاسباں ہو

(۴۶)

اے جنوں تیری بدولت ہو یہ حاصل مجکو — وادی عشق میں پہونچائے مرا دل مجکو
آپ کے قلزم زخار کرم کا دم حشر — کسی جانب نظر آتا نہیں ساحل مجکو
پھیرنا تم کو نظر کا، مجھے آئے دل کا — جو ہے آساں تمھیں ہے وہی مشکل مجکو
تھامتا دوڑ کے میں حشر میں دامن کس کا — منھ چھپاتا نہ اگر دیکھ کے قاتل مجکو
ہائے دیدار طلب قیس کی بربادی سے — گرد حسرت نظر آئی لب محمل مجکو

(۴۷)

آہیں بھی کھینچ نالے بھی کر آشکار ہو — اے دل پر اس نظر سے کہ وہ بے قرار ہو
دل لے کے داغ بھی نہیں دیتے ادا کے ساتھ — معلوم ہو گیا مجھے مطلب کے یار ہو
بجلی کو آنکھ بھر کے نہ دیکھ او ستم شعار — ایسا نہ ہو کسی کا دل بے قرار ہو

تنگ آکے داغ دل سے کہا ہجر یار میں ۔۔۔ بہتر ہے اب اسی میں کہ شمع مزار ہو
پھر دیکھ لوں میں فتنہ گری چشم یار کی ۔۔۔ میری طرف جو گردش لیل و نہار ہو

(۳۸)

بڑھ کے کیوں ان کو بتاتی نہیں حسرت میری ۔۔۔ پوچھتے پھرتے ہیں غیروں سے وہ تربت میری
یاد آئے گی تمہیں دیکھ کے ہر عاشق کو ، ۔۔۔ آرزو میری ، وفا میری ، محبت میری
سن کے تم نوع دگر حال مرا رونے لگے ۔۔۔ دشمنوں نے ابھی دیکھی نہیں صورت میری
ہنس کے وہ دیتے ہیں ہر بار مجھے ساغر مے ۔۔۔ گردش جام ہے یا پھرتی ہے قسمت میری
ہر ادا اس کی مرے دل کو ہے پیکان قضا ۔۔۔ ہائے کس شوخ پہ آئی ہے طبیعت میری
اس قدر حسن ادا نے مجھے حیران کیا ۔۔۔ آئینہ دیکھتے ہیں دیکھ کے صورت میری

(۳۹)

کہیں کیا جھیلتے ہیں سختیاں جو جو زمانے کی ۔۔۔ نہ دم لینے کی فرصت ہے نہ مہلت سر اٹھانے کی
کہاں تک داستان غم بڑھے گی کہہ نہیں سکتا ۔۔۔ شروع عشق سے ہے ابتدا میرے فسانے کی
بجا ہے لن ترانی تیری بیمار محبت سے ۔۔۔ کہاں طاقت ہے مجھ سے ناتواں میں آنکھ اٹھانے کی
مجھے گھیرا ہے کن کن تنگیوں میں دور گردوں نے ۔۔۔ ادھر ہے پھیر قسمت کا ادھر گردش زمانے کی
کسی دن تاک کے سینے کو تم چھوڑو تو چٹکی سے ۔۔۔ امیدیں ہیں تمھارے تیر کو دل میں چھپانے کی
چھوا تک بھی نہ غارت گر نے خوف آہ سوزاں سے ۔۔۔ نگہبانی کیا کی برق میرے آشیانے کی
جفاؤں سے تری ہر چند اب اتنا ہی روتا ہوں ۔۔۔ خوشی پہلے تھی مجھکو جس قدر تجھ پر دل آنے کی
پئے اہل عالم دیکھتے ہیں کون ہوتی ہے ۔۔۔ ہے یکرنگی ہماری اور نیرنگی زمانے کی
کبھی تربت پہ ناشادوں کی تم بھی آ کے رو لینا ۔۔۔ اجازت بے وفائی دے جو دو آنسو بہانے کی
تمھارے گیسوئے مشکیں کھلے کیا میرے ماتم میں ۔۔۔ خبر پھیلی ہے عالم میں مرے دنیا سے جانے کی

قدم چومے مرے میں کیا کہوں کس کس کے آ آکے   لگی تھی جو جبیں پر خاک تیرے آستانے کی
وہ اپنے گھر سدھارے کروفر سے صبح فرقت کو   مری تیاریاں ہونے لگیں دنیا سے جانے کی
فراقِ روح و تن کا مرحلہ دشوار تھا وحشتؔ   دمِ آخر مدد میری مرے مشکل کشا نے کی

—— (۴۰) ——

وہ بھی شاید گیسوئے لیلیٰ کی سودائی ہوئی   روح نکلی قیس کی قالب سے گھبرائی ہوئی
کیا ہوا ہے سوزِ پروانہ میانِ بزم ہے   شمع کی لو بن گئی ہے آنکھ شرمائی ہوئی
شغلِ میخواری میں ہوں سرگرم ہم سے بادہ نوش   ہر طرف ہے آپ کی رحمت کی گھٹا چھائی ہوئی
کہہ کے یہ تیشہ لگایا فرق پر فرہاد نے   کیوں نصیبِ دشمناں ہوتی مری آئی ہوئی
پوچھتا کس سے قریبِ نزع حالِ دل کوئی   آئی ہچکی بھی دمِ آخر تو گھبرائی ہوئی

—— (۴۱) ——

جو کاٹے خنجرِ قاتل رگِ گلو میری   لہو کے ساتھ نکل جائے آرزو میری
بدل گئی شبِ وصلِ صنم خدا کی شان   مری صدا مری آواز گفتگو میری
گھرا ہوا ہوں زمانے کے انقلابوں میں   خبر لے اے مرے پروردگار تو میری
خطاب ہے فلکِ کینہ ور سے شبنم کا   ملا دی خاک میں موتی سی آبرو میری
قیامت آئے یہ دونوں اگر بدل جائیں   جفا کی عادتِ ظالم وفا کی خو میری
تلاش مجکو جوانی کی میری پیری کو   مجھے کسی کی کسی کو ہے جستجو میری
لحد میں جا کے بدل جائے شاید اے وحشتؔ   ابھی تو قابلِ نفرت نہیں ہے بو میری

—— (۴۲) ——

اسیرو تم میں شرکت کی طاقت اگر ہوگی   بہار آتے ہی پھر دیوارِ زنداں شکلِ در ہوگی
جوابِ طولِ فرقت شدتِ دردِ جگر ہوگی   نہ موت آنے کی عاشق کو نہ اس شب کی سحر ہوگی

کلیم اللہ جائیں طور پر میں کوئے جاناں میں
وہی دیکھے گا جلوہ یار کا جس کی نظر ہوگی

نہ ہوگا حسن کو پھر اعتبارِ عشق دنیا میں
زلیخا دوست بن کر دشمنِ یوسف اگر ہوگی

مریضِ عشق طولِ ہجر سے گھبرا کے کہتا ہے
کب آئے گی قیامت کب شبِ غم کی سحر ہوگی

میں اس حسرت میں جیتا ہوں کہ دیکھوں تجھ کو غافل بھی
بھلا سیدھی تو کیا اے بے وفا تیری نظر ہوگی

نہیں یہ رات وہ تھا مجھ کو جس کی صبح کا دھڑکا
بلند اب کیوں تری آواز ہے اے مرغِ سحر ہوگی

دکھاؤں کس لیے حالِ پریشاں بے وفاؤں کو
کہ آنسو میرے پونچھیں گے نہ اُن کی چشم تر ہوگی

سدھارے اپنے گھر یہ کہہ کے وہ بالینِ عاشق سے
اب آئیں گے ترے مرنے کی جب ہم کو خبر ہوگی

ابھی تو وہ مری بالیں پہ بیٹھے ہیں بتاؤں گا
ضرورت جب ترے اُٹھنے کی اے دردِ جگر ہوگی

نہیں فرہاد و دانش جو لگائیں کوہ پر تیشہ
مہم ان مرحلاتِ عشق کی کس طرح سر ہوگی

﴿۴۳﴾

زمانہ ہوگیا نالوں سے التجا کرتے
یہ کاش دل میں کبھی سنگدل کے جا کرتے

کسی طرح نہیں کٹتی شبِ فراق اے دل
اگرچہ تجھ کو زمانہ ہوا دعا کرتے

اِدھر جگر ہوا بسمل اُدھر نگاہ پھری
نہیں تو اور اشارے ابھی ہوا کرتے

چلے تو آئے ہو ہاتھوں سے دل کو تھامے تم
بتاؤ نالۂ دلکش اب اور کیا کرتے

وہ بار بار یہی مجھ سے کہتے ہیں شبِ وصل
نہ کرتے وصل کا وعدہ، تو آپ کیا کرتے

ستا نہ اس قدر اے دردِ ہجرِ یار مجھے
ابھی تو رات کٹی ہے خدا خدا کرتے

نکل چلا تھا تمہیں دیکھ کے یہ آہ کے ساتھ
نہ دل کو تھامتے ہاتھوں سے ہم تو کیا کرتے

اِدھر تو وعدہ یا دانش اُدھر ہوئی بخشش
اب اور اشکِ ندامت کسی کے کیا کرتے

﴿۴۴﴾

جب مبارک باد دے گی دل کی بربادی مجھے
خوش نہ آئے گی زمانے کی کوئی شادی مجھے

خاکی افشائے غم ہوکر کرے سرسبز یادی مجھے　　درد دل آہ پہلے کرتا تھا تسکین عادی مجھے

اے جنون دل دکھا ایسا کوئی وادی مجھے　　جس سے ویرانہ نظر آئے قدم آبادی مجھے

کوچۂ معشوق میں پہونچا کہیں اے شوق دل　　منزل مقصود تک درکار ہے ہادی مجھے

قبر میں میں جاکے دنیا کی کشاکش سے چھٹا　　اس اسیری سے بھی حاصل ہے آزادی مجھے

مجھکو پائے گا شریک حال ہر ہر درد میں　　جب کبھی آواز دے گا کوئی فریادی مجھے

۴۵

رشک سے پھوٹے ہیں دل کے آبلے پھوٹے ہوئے　　شب کو رخ پہ دیکھ کر گیسو ترے چھوٹے ہوئے

تیری دزدیدہ نگاہوں سے بچے گی جان کیا　　یہ وہی رہزن ہیں جو ہیں قافلے لوٹے ہوئے

عاشقوں کو بھی معشوقوں کا ہے اقرار وصل　　گو ہزاروں بار وعدے کرکے وہ جھوٹے ہوئے

۴۶

دولت جو ملی تھی انھیں دنیائے دنی سے　　سربستہ رہی نعموں کی زیست اسی سے

نکلی یہ چٹکنے میں صدا گل کی کلی سے　　کہنا نہ کبھی راز محبت کو کسی سے

ہم کس سے کہیں کون سنے شیون بلبل　　فرصت نہیں پھولوں کو کبھی وقت ہنسی سے

جو آپ کو منظور ہے مجھکو بھی ہے منظور　　میں رنج سے کہتا نہیں کہتا ہوں خوشی سے

کب آئے قیامت نہیں معلوم کسی کو　　لیکن رہیں ہم منتظر وقت ابھی سے

بیشک وہ تمھیں ہو وہ تمھیں ہو وہ تمھیں ہو　　قربان ہو جس پہ کوئی سو جان سے جی سے

دل دیدہ ہے گو وعدۂ دیدار حسینوں کا　　برپا ہے قیامت ترے کوچہ میں ابھی سے

گل ہو گئی شب ہجر سر شام ہی شمعیں　　تشبیہ نہ دوں دل کی چراغ سحری سے

پوری ہو تمنا دل ناشاد کی عشرت　　جب لاش اٹھائیں مری احباب خوشی سے

﴿۴۷﴾

کہتے ہیں عاشقوں سے جو دل ہیں مرے ہوئے
ہم ہیں قمار خانۂ غم کے ہرے ہوئے

دیکھے تمہارے سبزۂ خط پر مرے ہوئے
جو زخم دل کے خشک ہوئے تھے ہرے ہوئے

نکلے ہیں ہم بھی گلشنِ خلوت سے یار کے
اکثر گلِ مراد سے دامن بھرے ہوئے

چھیڑے ہزار فرطِ طرب لاکھ گدگدائے
وہ کیا ہنسیں گے جن کے ہیں دل ہی مرے ہوئے

سب دیکھتے ہیں داورِ محشر کے سامنے
میرے لہو میں ہاتھ تمہارے بھرے ہوئے

اُٹھنے دو لاش میری جو ہونا تھا ہو چکا!
اب کیوں کھڑے ہو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے

کھولی نہ آنکھ ہم نے اسی سے میانِ قبر
ہم تھے سیاہیِ شبِ غم کے ڈرے ہوئے

رہنے لگی فشارِ زمیں بھی میانِ قبر
ہم آئے تھے نہ جانے کہاں سے مرے ہوئے

خارِ ستم سے آپ نے چھیڑے بھی گر تو کیا
دو چار آبلے مرے دل کے بھرے ہوئے

اس آسمان وعدہ کو کوئی تہنیت تو دے
جاتے ہیں ہم جہان سے حسرت بھرے ہوئے

دانش کہو گے تم انھیں کیا وہ سُنیں گے کیا
شکوے تمام عمر کے دل میں بھرے ہوئے

﴿۴۸﴾

گاہ سینے میں لبوں پر کبھی دم ہوتا ہے
دل مرا مضطرب الحال شبِ غم ہوتا ہے

ہر مسرت سے فزوں گو ہے سرورِ شبِ وصل
مگر اس سے بھی سوا صبح کو غم ہوتا ہے

ایک قصہ ہو تو میں اس کو شماروں میں کہوں
تم جب آتے ہو لبوں پر مرے دم ہوتا ہے

بند کر لیتے ہیں آنکھوں کو اسیرانِ قفس
جب کشادہ درِ زندانِ ستم ہوتا ہے

فردِ عبرت میں جلی حرفوں سے لکھتے ہیں اسے
سنگِ تربت پہ اگر نقشِ قدم ہوتا ہے

﴿۴۹﴾

محفل میں وقتِ دید جو دورِ حجاب اٹھے
میری نظر کے ساتھ کسی کی نظر اُٹھے

کہہ اپنے دل کا حال کہا تھا مریض نے
کیا سُن لیا کہ روتے ہوئے چارہ گر اُٹھے

کچھ ہو دروغ مصلحت آمیز ہی سہی
جب بزم سے اُٹھے اک اثر ڈال کر اُٹھے

تم کو پکارنے نہ دیا وقتِ مرگ بھی
بیٹھے تو جان لے کے مری چارہ گر اُٹھے

اک شغل ہو گیا ہے تڑپنا فراق میں
پھر موت ہے مریض جو نہ درد جگر اُٹھے

لازم ہے خوف آہ سے بیکس کی اے فلک
اتنا ستم نہ کر کہ ہمارا بھی سر اُٹھے

بیٹھے تو اُس کی بزم میں تصویر ہو گئے
اُٹھے تو دل میں درد کا لے کر اثر اُٹھے

آخر نہ دیکھا جا سکا دم توڑنا مرا
آنسو بھر آئے آنکھوں میں منہ موڑ کر اُٹھے

دل جلوہ گاہ یار ہے آنکھیں ہیں محو دید
دیکھے جو ایسا خواب وہ کیوں عمر بھر اُٹھے

(۵۰)

کیا ہزاروں سر سے پا تک زخم خنداں لے چلے
سمت صحرا بسن ابر و گلستاں لے چلے

زار مجھ سا مثل خس بہتا ہوا ہمراہ ہے
اب جدھر سیلاب اشک چشم گریاں لے چلے

طوق دُہرے دُہری زنجیریں تھیں دُہری بیڑیاں
تیرے کوچے سے مجھے جب سوئے زنداں لے چلے

شمع روشن گل ہوئی پروانے ٹھنڈے ہو گئے
ہم شرر اُلفت کے شکل سنگ پنہاں لے چلے

مر کے بھی ہونگے یہی چاروں عناصر ایک جا
درد دل زخم جگر اندوہ و حرماں لے چلے

دیکھیے ہوتا ہے افشا راز اُلفت آپ کا
دست بے صبری کو ہم سوئے گریباں لے چلے

عید سے بڑھ کے نہ ہو کیوں ذبح ہونے کی خوشی
خود وہ ہم کو جانب گنج شہیداں لے چلے

یاد آئے گا مجھے یہ دوست ہے میرا بہت
دل کو وہ نالش کے کہاں لے دشمن جاں لے چلے

(۵۱)

اب اپنی جان دے کے اُٹھیں گے اگر اُٹھے
یوں تو محال ہے کہ ترے در سے سر اُٹھے

بیمار غم کا اور لہو خشک ہو گیا
چپ ہو کے اُس کے پاس سے جب چارہ گر اُٹھے

ہاتھوں سے دل سنبھال کے پھر بیٹھنا پڑا — وہ اس طرح سے دیکھ کے زخمِ جگر اُٹھے

ویراں سرائے دہر کی اللہ ری کشش — دل تو نہ چاہتا تھا کہ اُٹھیں مگر اُٹھے

دیکھیں گے ہم بھی خاص اداؤں کی شوخیاں — ہو مصلحت اگر تو حجابِ نظر اُٹھے

قدموں کو چومنے لگی بڑھ کر رہِ مراد — بستر جو رکھ کے دوش پہ شوریدہ سر اُٹھے

کیا ہو گئی وہ حسرتِ دیدِ جمالِ دوست — اب ہم بھی دیکھیں حضرتِ موسیٰ نظر اُٹھے

حسرت تھی اس کو ختم شبِ انتظار کی — میت مریضِ ہجر کی وقتِ سحر اُٹھے

۵۲

یہ کہنا سوئے بت خانہ سے آ شام آتا ہے — خیالِ توبہ جاتا ہے نظر جب جام آتا ہے

کبھی اُن سے جو عرضِ حال کا ہنگام آتا ہے — خیالِ نامرادی اے دلِ ناکام آتا ہے

سنبھالو اے بتو اپنے مریضِ دردِ فرقت کو — زباں پر بے قراری میں خدا کا نام آتا ہے

جہاں تک ہو سکے تجھ سے بڑھا لے دردِ جگر کو بھی — ترس قاتل کو آتا ہے ہمیں آرام آتا ہے

نزاکت روکتی ہے نازکی گرتی ہے قدموں پر — وہ ہم سے بڑھ کے ملنے کو اگر دو گام آتا ہے

۴۸۹

حیاتِ رضا

عالیجناب مولوی برکت اللہ صاحب المتخلص بہ رضا اہالیان فرنگی محل سے گزرے ہیں آپ کے پدر بزرگوار کا نام نامی مولوی احمد اللہ صاحب ابن مولوی نعمت اللہ صاحب نبیرۂ ملا اسد ابن مولوی قطب الدین شہید سہالوی تھا۔

مولوی صاحب موصوف ماہ شعبان ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی کا ذکر ہے کہ آشوب چشم میں مبتلا ہوئے۔ علاج سے فائدہ نہ ہوا آپ کے عم محترم مُلا افضل اللہ صاحب نے مشورہ دیا کہ اگر انگریزی تعلیم موقوف کر کے قرآن مجید حفظ کرایا جائے تو صحت ممکن ہے چنانچہ اس نصیحت پر عمل کیا گیا اور مولوی صاحب موصوف کو صحت حاصل ہو گئی۔ سنا ہے کہ چار سال کی مُدت میں کلام پاک حفظ ہو گیا تھا۔

مولوی صاحب موصوف نے درسیات مُلا انعام اللہ صاحب ابن مُلا انعام اللہ صاحب سے اور بعض کتب اپنے بڑے بھائی ملا عظمت اللہ صاحب سے پڑھے تھے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدرسۂ نظامیہ (فرنگی محل) میں عربی فارسی پڑھانے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

مولوی صاحب موصوف کو ابتدا ہی سے شاعری کا بہت شوق تھا طبیعت بھی خدا نے مناسب بنائی تھی۔ ایک عرصہ تک عربی فارسی زبانوں میں شعر کہتے رہے۔ فارسی شاعری میں خواجہ عزیز الدین نامے کو جو اس زمانے کے مستند شعرا میں تھے اصلاح کے لئے منتخب فرمایا اور اُردو شاعری میں منشی امیر احمد امیر مینائی کی شاگردی سے بہرہ اندوز ہوئے۔

مولوی صاحب موصوف کا ایک اُردو دیوان جو دیوان رضا کے نام سے موسوم ہے

طبع ہو چکا ہے اور دوسرا دیوان مکمل قابل طبع موجود ہے جس میں سے یہ چند غزلیں گنجائش صفحات کے لحاظ سے ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب موصوف کے تصنیفات و تالیفات بکثرت موجود ہیں منجملہ ان کے چند حسب ذیل ہیں:۔ حاشیہ قطبی، حاشیہ شرح سُلم، حاشیہ شرح ملا جامی، بکاء العینین فی شہادت الحسینؑ، ترجمہ شرح میبذی، ترجمہ درۃ الناصحین وغیرہ۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں حکومت نے مولوی صاحب موصوف کو کسی شبہ یا اندیشہ کی بنا پر ایک سال کے لیے بہرائچ میں نظر بند کر دیا تھا لیکن شبہات رفع ہو جانے کے بعد پھر حالات حسب دستور ہو گئے

مولوی صاحب موصوف کی حیات بھر ان کے معتقدین کو ان سے کمال خلوص وعقیدت رہی اور عوام و خواص کی طرف سے جو مرجعیت آپ کو حاصل تھی وہ آپ کے تبحر علمی کی واضح دلیل ہے۔ اپنے زمانے کے اطبا میں آپ ایک نہایت ممتاز اور قابل قدر ہستی تھے اور آپ کی ذات اہل لکھنؤ کے لیے انتہائی باعث فخر تھی، آپ کے محاسن و محامد کا اثر آج تک لوگوں کے دلوں پر باقی ہے۔

مولوی صاحب موصوف نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ میں اپنا مختصر دور حیات پورا کرکے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا اور دو صاحبزادیاں اور ایک خلف الرشید جناب مولوی فرحت اللہ صاحب دامت افاداتہم چھوڑے جو آج اون کی مسند کی زینت ہیں، اور اپنے پدر نامدار کی طرح اپنے ہمعصروں میں ایک مخصوص مرتبہ کے مالک ہیں۔ آپ ہی نے اپنے کریمانہ الطاف سے ہماری استدعا پر ہم کو یہ کلام مرحمت فرمایا جو نہایت فخر و انبساط کے ساتھ ہم یہاں شائع کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کی کوئی تصویر موجود ہی نہیں ہے اس وجہ سے ہم ان کا بلاک شائع کرنے کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ جس کا ہمیں سخت افسوس ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولوی برکت اللہ صاحب رضا لکھنوی (فرنگی محلی)

غزلیات

(۱)

پردوں میں آنکھ کے ہے بے پردہ نور تیرا — ہم تیرہ دل نہ دیکھیں تو کیا قصور تیرا
موسیٰ کو آگیا غش سنتے ہی لن ترانی — او شانِ بے نیازی قائل ہے طور تیرا
یوں قبر میں سلایا رحمت نے اس کی ہم کو — دھڑکا نہیں رہا کچھ او شورِ صور تیرا
یارب زیارت اس کی ہو خواب میں میسر — پھیلایا دین جس نے نزدیک و دور تیرا
کیا کیا تڑپ گئے ہیں روشن دلانِ عالم — جب ذکرِ حسن لیا ہے او برقِ طور تیرا
ہو خاتمہ رضا کا ایمان پر الٰہی — بے پردہ جلوہ دیکھے روزِ نشور تیرا

(۲)

وحشت آباد لقب ہے مرے ویرانے کا — دل بہل جائے گا یاں قیس سے دیوانے کا
مرحبا اے دلِ بیتاب ترا کیا کہنا — ہر ورق لوٹ رہا ہے مرے افسانے کا
مرنے دے پاس سے للہ مرے اٹھ ناصح — وقت ہے اب یہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
میں نے کعبہ میں بھی ڈرتے ہوئے رکھا ہے قدم — واقعہ یاد تھا گزرا ہوا بت خانے کا

ان کو رکھنا ہی پڑا پاؤں مری تربت پر — رستہ جب ملا دب کے نکل جانے کا
دل مرا پھینک کے کہتا ہے وہ مخمور شباب — قدرداں کون ہو ٹوٹے ہوئے پیمانے کا
ابھی ہو جائے گی موقوف تڑپ بسمل کی — آپ ساماں تو کریں لاش کے اٹھوانے کا
دل سے لے تیر وہی آ کے نکالے تجھ کو — راستہ جس نے بتایا تھا یہاں آنے کا
دل ہے ممنونِ تجلیِ رُخِ یار رضا — ہے لقب وادیِ ایمن مرے ویرانے کا

(۳)

کھڑی ہے سر پہ اجل سامنا ہے قاتل کا — اسی دو عملہ میں ہو نہ لے فیصلہ دل کا
پتہ نہیں مرے بحر الم کے ساحل کا — پھر آج ٹوٹ گیا کوئی آبلہ دل کا
سفر یہ کچھ حرم و دیر کے نہیں موقوف — جدھر چلا میں اُدھر سامنا تھا مشکل کا
کہا ہنسی سے جو قاتل تو کھینچ لی تلوار — ذرا سی بات تھی اور خون ہو گیا دل کا
مقامِ امن سمجھ کر جہاں میں بیٹھ گیا — کہا نصیب نے کوچہ یہی ہے قاتل کا
غریقِ بحرِ فنا عمر کی ہوئی کشتی — پتہ ملا مجھے تہ پر پہونچ کے ساحل کا
نئی ادا سے ترا تیر اس طرف آیا — جگر میں ٹیس اٹھی درد مٹ گیا دل کا
دہانِ زخم کو جرأت دلا رہا ہے وہ تیر — مجھے یہ ڈر ہے نہ اب راز فاش ہو دل کا
قضا بھی جس کو نہ پوچھے ترا مریض ہے وہ — جسے نہ کوئی سُنے حال ہے مرے دل کا
ملا وہی کہ جو لکھا ہوا تھا قسمت میں — نگاہ دیکھ کے بدلا سوال سائل کا
وہ مست ناز تو کیف نیاز ہے مجھ کو — گماں ہر ایک کو ہے دوسرے پہ غافل کا
یہ کس کی ترچھی نگاہوں کا زخم کھایا ہے — رگوں سے کھینچ کے نکلتا ہے خون بسمل کا
اٹھو وہ سامنے سے اک جنازہ آتا ہے — تمہیں یہ ورنہ گماں ہوگا سب کو قاتل کا
اسیرِ قومِ بلا کیوں رہیں نہ اہلِ کمال — گہن مقابلہ کرتا ہے ماہ کامل کا

لہو میں ڈوب کے نکلے گا تیر پہلو سے
حضور لیں تو کبھی امتحاں مرے دل کا

اسی کو بحر محبت سمجھتے ہیں عاشق
پتہ ملے نہ زمانے میں جس کے ساحل کا

دو گالیاں بھی اگر دیں تمہیں رقیب سن لو
لحاظ چاہیئے محفل میں صدرِ محفل کا

(۴)

مری آنکھوں سے پوشیدہ ہے عالم قلب مضطر کا
نہیں ان پاسبانوں کو خبر کیا حال ہے گھر کا

نہ کیونکر بیخودی طاری ہو ہنگامہ ہے محشر کا
وہ باہر آ رہا ہے کوئی وہ پردہ اٹھا در کا

نہ آنا تھا گل مقصد کسی صورت نہ ہاتھ آیا
یہ گلزار جہاں ہے یا چمن طاؤس کے پر کا

کریں گے آہ کو جب ضبط ہم آنسو نہ نکلیں گے
رکے گی جب ہوا رک جائے گا طوفاں سمندر کا

پڑے گا تہلکہ جب چار دیوار عناصر میں
نہ ہوگا روکنے والا کوئی گرتے ہوئے گھر کا

یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا بزم میں زاہد
میں ہم اور تم بیٹھے ہوئے منہ دیکھو ساغر کا

نظر آتے ہیں ٹکڑے ہر طرف ٹوٹے ہوئے دل کے
مرقع سامنے آنکھوں کے ہے پھوٹے مقدر کا

چھڑاتی ہے رفاقت موت آ کر ایک مدت کی
لپٹ کر رو رہا ہے جسم سے ہر تار بستر کا

(۵)

شکستہ خاطری ممنون ہوں تیری عنایت کا
ہوا صد پارہ بعد مرگ پتھر میری تربت کا

زمانہ کیوں نہ قائل ہو ہمارے دل کی وسعت کا
اسی منزل میں آ کر قافلہ ٹھہرا ہے حسرت کا

کلیجا تھام کر ہر اٹھنے والا میری بالیں سے
مرقع کھینچ کر عالم کو دکھلاتا ہے عبرت کا

یہ سچ ہے دل لگانا حضرت ناصح نہیں اچھا
مگر کیا کیجیئے جب سامنا ہو اچھی صورت کا

مری کٹتی رگوں کو میرے اس بہتے ہوئے خوں کو
پتہ تیری گلی سے پوچھ لینا تھا قیامت کا

دو عالم سے ہوں مستغنی وہ عالم ہے نگاہوں میں
نہ دنیا کی مجھے پروا نہ کھٹکا ہے قیامت کا

ہماری روح نکلی لوگ یہ کہتے ہوئے اٹھے
چراغ اک آج ٹھنڈا ہو گیا بزم محبت کا

رضا آنکھیں کھلیں آکر لحد میں ہو گیا ظاہر — جسے سمجھا تھا میں دنیا وہی پردہ تھا غفلت کا

(۶)

صحرا نہیں دیکھا ہے کہ زنداں نہیں دیکھا — کیا چھو کے تجھے زلفِ پریشاں نہیں دیکھا
رُخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا — قرآں کا ہندو کو نگہباں نہیں دیکھا
دیوانے کے سمجھانے کو روز آتا ہے ناصح — اس عقل کا ہم نے کوئی انساں نہیں دیکھا
رہ رہ کے کوئی ہاتھ اٹھا کر مجھے کوسے — ہنس ہنس کے کہے جاؤں میں ہاں ہاں نہیں دیکھا
وہ عاشق و معشوق کا ہے راز جہاں میں — ہوتے جسے عالم پہ نمایاں نہیں دیکھا
کس یاس سے کہتا ہوں میں دیکھا ہے سبھی کچھ — اک دل سے نکلتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا
جائز جنھیں سب کچھ ہے وہ ہیں حضرتِ واعظ — پی کر بھی انھیں ہم نے پشیماں نہیں دیکھا
منہ پھیر کے بیٹھو کوئی دم توڑ رہا ہے — کہنے کو تو ہو جائے کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا
شکوہ نہیں کچھ آپ کا اس عہد میں ہم نے — پورا کوئی ہوتے ہوئے پیماں نہیں دیکھا
کل کھا کے قسم جس نے اٹھائی تھی بڑی چیز — لو آج وہ کہتا ہے کہ قرآں نہیں دیکھا
ہم کہتے ہیں کہنے دو مگر حضرتِ موسیٰ — تم تو نہ کہو جلوۂ جاناں نہیں دیکھا
ادنیٰ کو رضا رتبۂ اعلیٰ نہیں ملتا — ہوتے ہوئے دامن کو گریباں نہیں دیکھا

(۷)

کچھ بھی جو اثر تجھ میں لے ضبطِ فغاں ہوتا — ہر راز مرے دل کا خود اُن پہ عیاں ہوتا
فقرے نہ کبھی سنتے اس طرح حرم والے — گر شیخ مرا رہبر تا کوئے بتاں ہوتا
دنیا سے اُسے نفرت عقبیٰ سے ہیں اُلجھن — خلوت کا مزا حاصل ہوتا تو کہاں ہوتا
تصویر تصور نے کھینچی ہے رضا دل پہ — یہ راز کسی صورت ان پر بھی عیاں ہوتا

(۸)

شمع محفل میں جب گردن پہ چل کر رہ گیا — جوش کھا کر خون رگ رگ میں اچھل کر رہ گیا
منزل الفت نے دونوں کو تھکایا ایک ساتھ — میرا سایہ بھی مرے ہمراہ چل کر رہ گیا
بزم میں او حسن عاشق سوز تیری ذات سے — شمع ہنستی ہی رہی پروانہ جل کر رہ گیا
یوں نکلنا تھا نہ مٹھی سے دل بیتاب کو — لو قیامت ہو گئی وہ ہاتھ مل کر رہ گیا
اُف زمانے کی طرح سے مرنے والا نزع میں — اس طرف سے اس طرف کروٹ بدل کر رہ گیا
تھیں بہت کچھ جس سے وابستہ امیدیں اے رضا — اُف وہ دنیا کی طرح آنکھیں بدل کر رہ گیا

(۹)

بام پر کب سامنے وہ بے نقاب آیا نہ تھا — یاں سوا نیزے پہ کس دن آفتاب آیا نہ تھا
طالب دیدار کو موت آ گئی اچھا ہوا — حشر تک سوئے گا اب وہ جس کو خواب آیا نہ تھا
کچھ نہیں کھلتا یہ چمکی برق عالم سوز کیوں — دل سے میرے لب پہ ذکر اضطراب آیا نہ تھا
جام ساقی پر نہ تھا کب دور میں جام شراب — رشک سے جگر میں کس دن آفتاب آیا نہ تھا
جس طرح آیا ہے میری آنکھ میں آنسو رضا — یوں فنا ہونے کو ساحل پر حباب آیا نہ تھا

(۱۰)

خوب رہ کر تجھے اے عالم امکاں دیکھا — نہ کسی کو بھی غم و درد کا پرساں دیکھا
واہ اے ہستی موہوم ترا کیا کہنا — جس کو دیکھا ترا شرمندۂ احساں دیکھا
دیکھنے کو تو زمانے میں سبھی کچھ دیکھا — نہ مگر دل سے نکلتے ہوئے ارماں دیکھا
اے رضا لاش کدھر لے کے چلے ہیں احباب — مر کے دیکھا بھی تو کیا کوچۂ جاناں دیکھا

(۱۱)

کیا بتاؤں کل کسی کی بزم سے کیونکر اٹھا — دونوں ہاتھوں سے سنبھالے میں دل مضطر اٹھا

ذات سے زائد ہوا کرتا ہے صناعی سے نام — رہ گیا آئینہ اس دنیا سے اسکندر اٹھا
حکم دشمن کا بھی کوئی حکم ہے جو مان لوں — آپ خود کہیئے مرے کوچے سے تو بستر اٹھا
مر کے بھی یہ اپنا اپنا ہے مقدر اے رضا — پھول دشمن کے لیے میرے لیے پتھر اٹھا

(۱۲)

عالم وہی ہے اب بھی تری جلوہ گاہ کا — کچھ ہے اگر قصور تو اپنی نگاہ کا
اونچا ہو کیوں دماغ نہ اب گردِ راہ کا — خاکہ اڑا لیا مرے حالِ تباہ کا
مجھ کو پتہ ملا نہ تری بارگاہ کا — قسمت کا کچھ قصور ہے کچھ رہبر راہ کا
چھوٹا گرفتِ حشر سے یہ کہہ کے میں رضا — خادم ہوں خادمانِ رسالت پناہ کا

(۱۳)

آنسو رکے تو دردِ جگر اٹھ کھڑا ہوا — آفت ٹلی جو ایک تو غم دوسرا ہوا
افسردگی کا بعدِ فنا بھی رہے نشاں — رکھ دو چراغ کوئی لحد پر بجھا ہوا
جس پر نگاہ پڑتی ہے عالم کی یہ کہو — کس کا کیا ہوا ہے، تمہارا کیا ہوا
یوں بھی تو سب حضور کو پہچان جائیں گے — اٹھا اگر نہ حشر کے دن سر جھکا ہوا
اے دل نہ عرضِ حال میں دے طول اس قدر — پھر اٹھ کھڑا نہ ہو کوئی جھگڑا چکا ہوا
روکو زبان روکو بہت گالیاں نہ دو — آخر ہمارا منہ بھی نہیں ہے سیا ہوا
انسان ہی سے ہوتی ہے دنیا میں بھول چوک — شرما رہے ہو کیوں جو نشانہ خطا ہوا
کہتے تھے لٹ کے آؤ گے اس بزم سے رضا — اب تو حواس ٹھیک ہوئے دل بجا ہوا

(۱۴)

ہمارا خط پڑھے وہ دلربا کیا — مٹے تقدیر کا لکھا ہوا کیا
نہ آئے آپ تڑپے رات بھر ہم — مثل سچ ہے کسی کا آسرا کیا

تری رحمت کے آگے حشر کے دن — میں کیا اور یہ مرے جرم و خطا کیا
کسی کا دل دکھانا اور تبسم — پھر اس پر پوچھنا آخر ہوا کیا
سر محفل میں تم سے دور بیٹھوں — مگر یہ بھی تو سن لوں ہے خطا کیا
مرا خط دیکھ کر بگڑا ہے وہ بت — رضاؔ واللہ اعلم لکھ دیا کیا

(۱۵)

چارہ گر کے ہاتھوں سے جب تک کہ نکالا نہ گیا — تیرے کوچے سے ترا چاہنے والا نہ گیا
آکے تربت پہ مری رونے سے حاصل صاحب — جیتے جی جب کوئی ارمان نکالا نہ گیا
میرے مرنے کی خبر جھوٹ بھی سن لی جو کبھی — اپنے جامے میں رقیبوں سے سمایا نہ گیا
انھیں باتوں سے تو جلتا ہے کلیجہ میرا — لے کے دل کہتے ہو کیوں تم سے بچایا نہ گیا
دل بیتاب کو کس طرح سنبھالیں گے حضور — آپ سے اپنا دوپٹہ تو سنبھالا نہ گیا

(۱۶)

سرمۂ خاک در یار سے رونا ٹھہرا — دیکھ لو آج یہ بہتا ہوا دریا ٹھہرا
جس طرح دل تری مٹھی میں ہمارا ٹھہرا — یوں نہ سینے میں کسی روز کلیجا ٹھہرا
چٹکیاں آپ لیے جاتے ہیں مرے سینے میں — میں کہے جاؤں کہ ہاں ہاں دل شیدا ٹھہرا
انقلاب فلکی تیرا تلون دیکھا — ایک حالت پہ کسی وقت نہ سایا ٹھہرا
ہوں وہ غم دوست کہ پھر درد کی پسلی پھڑکی — میری آنکھوں کا جو بہتا ہوا دریا ٹھہرا
منتیں مان کے کاٹیں گے رضاؔ کالی رات — صبح کے آنے کا گر شام کو وعدا ٹھہرا

(۱۷)

اس کو زیبا ہے لقب دہر میں دیوانے کا — رستہ خضر بتاتے ہیں جسے ویرانے کا
شوق مجنوں کو نہ کیوں ہو مرے افسانے کا — پاس دیوانہ کیا کرتا ہے دیوانے کا

اپنی حد سے نہ بڑھائے کوئی دنیا میں قدم　ہے یہی قول چھلکتے ہوئے پیمانے کا
شمع یہ کہہ کے جلائی نہ مری تربت پر　مجھ کو منظور نہیں خون ہو پروانے کا
ہوں پریشاں میں خیالات پریشاں کی طرح　جمع ہونا نہیں ممکن مرے افسانے کا
پاؤں تک گھل کے ہوئی شب کو فنا شمع رضاؔ　سر چڑھا خون عجب رنگ سے پروانے کا

(۱۸)

وانفس میں نہ تجھے اے لب فریاد کیا　یہی وہ چیز تھی جس نے مجھے آزاد کیا
تو نے او بھولنے والے نہ کبھی یاد کیا　مرحبا خوب علاج دل ناشاد کیا
پھر تصور کسی رُخ کا دل ناشاد کیا　جو سبق بھول چکا تھا اُسے کیوں یاد کیا
کھُل گیا باب اثر خواب سے وہ چونک پڑے　دل پُر درد نے فریاد کو فریاد کیا
یہ مری بھول تھی بھولا ہوا تھا میں اُس پر　جس نے بھولے سے بھی مجھ کو نہ کبھی یاد کیا
کم نہیں عالم ایجاد سے دل کی دنیا　حشر ہوگا جو اُسے آپ نے برباد کیا
تیرا انداز ترحم بھی ہے صیاد نیا　اور پابند ہوا وہ جسے آزاد کیا
آسماں بھی اُسے آباد نہیں کر سکتا　تو نے ٹھوکر سے جہاں میں جسے برباد کیا
مجھ پہ صیاد ذرا بھی نہیں احسان ترا　میرے آداب وفا نے مجھے آزاد کیا
وہ بت آنے بھی نہ پایا تھا کہ موت آپہونچی　ہائے کس وقت خدا نے بھی مجھے یاد کیا
اور بھی لاکھ بہانے تمھیں مل سکتے ہیں　اس خطا پر نہ سزا دو کہ تمھیں یاد کیا
ہر طرح ہم ہیں رضاؔ اس کی رضا پر راضی　اس پہ بھی شاد ہیں اُس نے ہمیں ناشاد کیا

(۱۹)

داماں نہیں دیکھا کہ گریباں نہیں دیکھا　کیا دیکھنے والے نے مری جاں نہیں دیکھا
سنتے ہیں خطا تیر قضا ہو نہیں سکتا　آنکھوں سے پرائے گردش دوراں نہیں دیکھا

بت خانۂ دنیا میں بتوں سے رہے کھنچ کر — ایسا کوئی ہم نے تو مسلماں نہیں دیکھا
اک کھوئے ہوئے دل کی خبر کچھ نہیں ملتی — تم نے تو کہیں اس کو مری جاں نہیں دیکھا
یہ مجھ سے نہ کہنا کوئی مرجائے تو جانیں — عاشق ابھی تم نے کوئی اے جاں نہیں دیکھا
یہ کس کا لیا نام کہ اُبھر بیں مری نبضیں — یوں ہوتے ہوئے نزع میں درماں نہیں دیکھا
کرتے ہو باعلان رضاؔ سجدے بتوں کو — یوں کھوتے کسی کو کبھی ایماں نہیں دیکھا

(۲۰)

ملے خاک میں کہ تڑپے دل بے قرار اپنا — نہ ہوا۔ نہ ہے۔ نہ ہوگا وہ ستم شعار اپنا
نہ مٹائے سے مٹے گا نہ چھپائے سے چھپے گا — مرے دل کا آبلہ ہے یہ نہیں مزار اپنا
کہیں کس سے پھر چھپائیں جو تمھیں سے دل کی حالت — کہ ازل سے جانتے ہیں تمھیں رازدار اپنا
وہ گھڑی گھڑی کہیں یہ کوئی اور ذکر چھیڑو — میں سنائے جاؤں قصہ انھیں بار بار اپنا
یہ محال اے رضاؔ ہے نہ عیاں ہو سوز دل کا — کبھی سنگ کے چھپائے نہ چھپا شرار اپنا

(۲۱)

گردش مگر بنے گی نہ ہرگز بنائے بات — تم کان میں رقیب کے کچھ کہہ کے آئے بات
کیا یہ حکم ہے نہ ترے لب پہ آئے بات — کرتے ہیں بزم میں سبھی اپنے پرائے بات
ہاں قتل کرکے لاش کے ٹکڑے اڑیں ضرور — اور انتہائے ظلم کوئی رہ نہ جائے بات
کیا ان بتوں کو رام کہانی سنائیں ہم — کہتے ہیں لوگ اس سے کہ جس کو سن آئے بات
دستور ہے یہی اگر اچھے نصیب ہوں — بن جاتی ہے جہان میں خود بے بنائے بات
کہنا بھی ہے عدو سے انھیں حال دل ضرور — ڈر بھی لگا ہوا ہے کہیں کھل نہ جائے بات

(۲۲)

نیر کیوں چبھتے نہ دل میں مرے نشتر ہو کر — دم دیا تھا تری پلکوں نے فسوں گر ہو کر

آئینہ ٹوٹ گیا ٹوٹ گیا جانے دو — سرنگوں بیٹھو نہ اے جان مکدر ہو کر
ہم نہ چھوڑیں گے کبھی شعلہ رخوں کی الفت — زندگی آگ میں کاٹیں گے سمندر ہو کر
خانۂ غیر کے دھوکے میں وہ آئے مرے گھر — بخت جاگا بھی تو غیرِ دلِ کا مقدر ہو کر
کبھی پورا نہ ہوا جو وہ ترا وعدہ ہے — جو کہا ہم نے رہا ہے وہ برابر ہو کر
ٹکٹکی باندھ کے پرچھائیں کو دیکھا نہ کرو — نہ ڈرا دیں کہیں گیسو تمھیں اژدر ہو کر
آتشیں رخ کی محبت نے اثر دکھلایا — بچھتی ہے دھوپ مری قبر پہ چادر ہو کر
ہم نہ کہتے تھے کہ سیماب ہے اب دیکھ لیا — دل نہ ٹھہرا تری مٹھی میں بھی مضطر ہو کر
کون کہتا ہے کہ ہے ترکِ وطن میں راحت — مل گئے خاک میں اشک آنکھ سے باہر ہو کر
گزرے جو عشق میں روزانہ لکھے جاؤ رضاؔ — پُر اثر ہوگا یہ قصہ کبھی دفتر ہو کر

(۲۳)

ہٹ جائے نہ کوئی یہ رہا ڈر نہ خنجر — تڑپا نہ ہمارا دلِ مضطر نہ خنجر
دبتا ہے جفا جو سے زمانے میں جفا جو — جنبش نہیں کرتا کبھی خنجر نہ خنجر
حاسد کی زباں زخم رساں ہوتی ہے ہر دم — رہتے ہیں زمانے کے سخنور نہ خنجر
یہ سن کے کہ بے موت کوئی مر نہیں سکتا — آ آ گئے جان بازوں کو چکر نہ خنجر
چھٹتے ہیں رضاؔ خون کے فوارے رگوں سے — کس موجزنی پر ہے سمندر نہ خنجر

(۲۴)

دکھایا موت نے منہ خاک کوئے قاتل پر — چراغ عمر ہوا گل پہونچ کے منزل پر
کیا وہ سحر نگاہوں نے تیری محفل پر — کہ سر جھکے ہوئے ہیں سب کے ہاتھ ہیں دل پر
چبھا ہے تیر جگر میں تو کھینچنے کے لیے — دباؤ ڈال رہا ہے کوئی مرے دل پر
علاج خوب کیا مرحبا جزاک اللہ — جگر میں درد تھا اور ہاتھ رکھ دیا دل پر

اُسی کے در پہ ہے سر جو خبر نہیں لیتا ـــ اُسی کی یاد ہے جس کی نظر نہیں دل پر
اسیر ہوں کہ قتیل اے رضاؔ نہیں کیونکر ـــ حسد سے ہوتے ہی ہیں اعتراض کامل پر

(۲۵)

صور کی طرح خدا کے لیے فریاد نہ کر ـــ حشر عالم میں بپا اے دلِ ناشاد نہ کر
ظلم عشاق پہ اے عالمِ ایجاد نہ کر ـــ قیس کا نام نہ لے ماتمِ فرہاد نہ کر
دل کے زخموں پہ نمک پاش نہ ہو اے ظالم ـــ باغ کا ذکر مرے سامنے صیاد نہ کر
حلقۂ چشم سے باہر ہوئے جاتے ہیں اشک ـــ مجھ کو رسوائے جہاں اے لبِ فریاد نہ کر
زندگی بھر جسے صورت نہ دکھائی تو نے ـــ یاد اب اس کی وفا بھی ستم ایجاد نہ کر

(۲۶)

اشک رواں ہیں چشم سے روئے نگار دیکھ کر ـــ ابر بنے ہوئے ہیں ہم لطف بہار دیکھ کر
پھولوں پہ اوس پڑ گئی رُخ کی بہار دیکھ کر ـــ سرو زمیں میں گڑ گیا قامت یار دیکھ کر
نکلے تھے اپنے گھر سے ہم دل کو پکارتے ہوئے ـــ جادۂ راہ بن گئے کوچۂ یار دیکھ کر
کچھ دنوں اور کر معاف شیخ حرم خفا نہ ہو ـــ توبہ کا قصد ہے مگر اب کے بہار دیکھ کر
عشق مژہ میں اے رضاؔ نا پئی ہی دشت کی زمیں ـــ پھوٹ کے آبلے بہہ رہ گئے خار دیکھ کر

(۲۷)

کیوں تعجب ہے جو بیخود ہو گئے ہم دیکھ کر ـــ سکتے میں ہیں تیری صورت اہل عالم دیکھ کر
ڈر یہ ہے مجھ کو کہیں لینے کے دینے پڑ نہ جائیں ـــ زخم پر رکھنا مرے جرّاح مرہم دیکھ کر
پوچھتے ہیں اپنے بیگانے سبھی کیا دیر ہے ـــ اٹھنے والی لاش کا ساماں فراہم دیکھ کر
کس سے باتیں کر رہے ہیں آپ کچھ معلوم ہے ـــ اور دل میں ہو رہے ہیں خوش کسے ہم دیکھ کر
اس کو موت آئے تو کیونکر وہ جئے تو کس طرح ـــ دم بخود بیٹھے ہوں جس کو ابن مریم دیکھ کر

ہونے والی بات ہو ہی کر رہے گی اے رضاؔ — روئیں گے بیت ہماری اہلِ عالم دیکھ کر

۲۸

کہیں یہ گر نہ پھیر دے حشر میں منھ خشم گیں ہو کر — نکالے تھے تمھیں نے تفرقے پردہ نشیں ہو کر
یہ سچ ہے ہوتی ہے راحت برائے اصل کی خاطر — ہمیں رہنا پڑا دنیا میں پابندِ زمیں ہو کر
عبث الزام ہے ہم پر حسینوں کی محبت کا — خدا خود مائلِ صورت ہے صورت آفریں ہو کر
ہماری بے گناہی نے سرِ مقتل ستم ڈھایا — کلائی میں کسی کی تیغ لپٹی آستیں ہو کر
رضاؔ ہوتی ہے اکثر قابلیت باعثِ نخوت — صدف کو چھوڑ کر آتا ہے باہر دُر ثمیں ہو کر

(۲۹)

دل ہے سودائی زلف اور میں دیوانۂ دل — پیچ در پیچ ہو کس طرح نہ افسانۂ دل
چشمِ ساقی تری فریاد کریں گے سرِ حشر — لے کے ہم ہاتھ میں ٹوٹا ہوا پیمانۂ دل
کھا کے سو تیر نگاہوں کے وہی تیور ہیں — قابلِ قدر ہے یہ ہمتِ مردانۂ دل
یاس و ارماں کو مرے ساتھ ہوا ہے سودا — میں بیاباں کو چلا یہ سوئے ویرانۂ دل
یادِ رخسار میں اتنی تو چمک پیدا ہو — خود کلیجہ مرے سینے میں ہو پروانۂ دل
اُن کی اُلجھی ہوئی زلفوں میں جگہ پائی ہے — طوقِ منت کے بڑھاتا ہے رضاؔ شانۂ دل

(۳۰)

شانے کی طرح الجھیں گے زلفِ رسا سے ہم — ڈرتے نہیں جہان میں کالی بلا سے ہم
اب حشر کتنی دور ہے دیکھیں گے ایک دن — پہونچے ہیں قبر تک تو تمھاری دعا سے ہم
کچھ ہو مگر جہان میں مشہور ہو گئے — اپنی جفا سے آپ تو اپنی وفا سے ہم
چلتے ہیں اٹھ کے قبر سے جب حشر کی طرف — پاتے ہیں راہ داغِ جگر کی ضیا سے ہم
کہنا یہ ان کا اور ستم پر ستم ہوا — دیکھا کہ دل کو چھینتے ہیں کس ادا سے ہم

دنیا سے ہاتھ کھینچ لیا ہے بتو ہٹو
لو نزع میں لگائے ہوئے ہیں خدا سے ہم

کہتا ہے کس غرور سے وہ بت کہ حشر میں
مانگو گے بھی تو ہاں نہ سکیں گے خدا سے ہم

جو کچھ دکھا رہا ہے رضا چرخ کینہ جو
وہ دیکھتے ہیں دیدۂ عبرت نما سے ہم

(٣١)

قتل عشاق کو ظالم لب جو کرتے ہیں
کیا قیامت ہے کہ پانی کو لہو کرتے ہیں

جلوؤں خشک سر بزم لہو کرتے ہیں
کیا کریں حکم ہے تعظیم عدو کرتے ہیں

اف قیامت ہے جوانی میں کسی کا مرنا
آ کے ماتم مرے لاشے پہ عدو کرتے ہیں

سعی بے سود ہے کیونکر نہ سنے جوش جنوں
بخیہ گر چاک گریباں کو رفو کرتے ہیں

زاہدوں کو جو دکھاوا نہیں منظور اے دل
کیوں نمازوں سے زیادہ یہ وضو کرتے ہیں

پان جن ہاتھوں سے ملتے ہیں رقیبوں کو رضا
یہی بے تیغ ہزاروں کا لہو کرتے ہیں

(٣٢)

او دل وہ آئے ہیں تجھے کچھ بھی خبر نہیں
اچھی ہے بیخودی بھی مگر اس قدر نہیں

سینے میں دل ہے سر ہے جگر کو خبر نہیں
مردہ پڑا ہے گھر میں کوئی نوحہ گر نہیں

دنیائے بے ثبات کو مطلق نہیں ثبات
سچ پوچھیے تو رہنے کے قابل یہ گھر نہیں

میں اور رقیب دونوں کا تھا ایک ہی سوال
ظالم یہ کیا غضب ہے ادھر ہاں ادھر نہیں

تیغ بلا کے سامنے دنیا میں اے رضا
جز کار خیر کوئی بھی ہوتا سپر نہیں

(٣٣)

خواب دیکھا ہے گھرے بیٹھے ہیں تلواروں میں
زندگی اپنی بسر ہو گی ستم گاروں میں

تیرے رخساروں کی محفل میں بلائیں لیں گے
کودنے والے دہکتے ہوئے انگاروں میں

کس نے مارا ہے مجھے یہ نہیں کہتا کوئی
حشر کے روز سے ایکا ہے ستم گاروں میں

(۳۴)

اپنی ہستی کو جو دنیا میں عدم کہتے ہیں
کچھ وہی سیر تری باغ قدم کرتے ہیں

شکوہ ناکامی قسمت کا جو ہم کرتے ہیں
دوست تو دوست ہیں اغیار بھی غم کرتے ہیں

بھولی صورت ہی عجب شے ہے کہ چھپ جاتے ہیں عیب
کوئی باور نہیں کرتا وہ ستم کرتے ہیں

کیوں نہ رہ رہ کے مرے سینے میں دل مضطر ہو
کچھ وہ پڑھ پڑھ کے مری قبر پہ دم کرتے ہیں

مٹ رہے ہیں مرے نامے سے تمنا کے حروف
اُف قیامت کا ستم دیدۂ نم کرتے ہیں

کھول کر آنکھ تری یاد میں سونے والے
ایک جا صورت ہستی و عدم کرتے ہیں

توڑ کر توبہ پئے لیتے ہیں مے کا ساغر
تجھ پہ احسان ہم اے ابر کرم کرتے ہیں

کوئی ہم سا بھی نہ غم دوست ہو دنیا میں رضا
تیر سینے سے نکلتا ہے تو غم کرتے ہیں

(۳۵)

کبھی مضطر کبھی ساکت کبھی ان کے مقابل ہوں
کہیں میں آئینہ ہوں اور کہیں تصویر کہیں دل ہوں

فغاں دو آہ پر لے بیخودی کس طرح مائل ہوں
میں اک ٹوٹا ہوا ناقوس ہوں بیٹھا ہوا دل ہوں

دم زینت قیامت ڈھا رہی ہیں دو رخی نظریں
اُدھر خود بیں آئینہ تو میں اِدھر عشاق کے بسمل ہوں

زمین حشر یہ کہہ کہہ کے توڑے دیتی ہے ہمت
نہ جس سے بڑھ سکے آگے مسافر میں وہ منزل ہوں

مجھے تا حشر ہو بیجا میں نہ کیونکر اپنے بیگانے
سفر پہلے پہل دنیا سے ہے نادیدہ منزل ہوں

رضا رہتی ہے اُس میں رات دن تصویر لیلیٰ کی
نہ کیونکر قیس کی آنکھوں کو دعویٰ ہو میں محمل ہوں

(۳۶)

تم ستمگار نہیں بانی بیداد نہیں
کہہ دیا ہوگا کسی وقت مجھے یاد نہیں

کون مانے گا مرے داغ جگر کے ہوتے
تم کہو لاکھ کہ میں بانی بیداد نہیں

خوگر جور و ستم کون ہے ہم سے پوچھو
چپ ہیں لیکن یہ نہ سمجھو لب فریاد نہیں

محتسب مجھکو میں جھوٹا کہوں یہ میری مجال — توبہ کی ہوگی مگر کیا کروں اب یاد نہیں

(۳۷)

کیا سحر ہے ظالم یہ ترے تیر نظر میں — چبھتا ہے کبھی دل میں کبھی سینہ و جگر میں
کیا یاد کریں گے تجھے اے گردش گردوں — ہم بیٹھنے پائے نہ کبھی چین سے گھر میں
ہے نوک مژہ کو تو رضا کہہ نہیں سکتا — لیکن کوئی شے ہے جو کھٹکتی ہے جگر میں

(۳۸)

ہوئی شامل جماعت صوفیوں کی بادہ خواروں میں — ارے توبہ یہ مدہوشی یہاں پرہیزگاروں میں
مرا دم ہے سر محفل نہ سمجھے گا ذرا کوئی — تمہیں کہنا ہے جو کچھ مجھ سے کہہ ڈالو اشاروں میں
زمیں کانپی فلک ڈہلا ہوا عالم تہ و بالا — یہ کس نے بجلیوں کا ذکر چھیڑا بیقراروں میں
ذرا سمجھو کسی کے کہنے سننے میں نہ آ جاؤ — یہ ممکن بھی ہے میں محبوب ٹھہروں بے اعتباروں میں
زیادہ کون ہے ان میں یہ خود کھل جائے گا تم پر — تماشہ دیکھیے لو سیماب رکھ کر بیقراروں میں
کھڑے ہو جاؤ دم بھر آ کے بالیں پر تو ہوں مرتے — ہمیں کیا آپ بیٹھے بھی جو آ کر سوگواروں میں
رضا ہیں خانقہ سے شیخ کی یہ کہہ کے اٹھ آیا — وہی ہے زندگی جو ہنس کے گزرے گلعذاروں میں

(۳۹)

اتنا تو ہو گر شیوۂ تسلیم و رضا ہو — ہم یہ نہیں کہتے کبھی اب دیکھیے کیا ہو
اتنا ہی کہا تھا مرے دشمن کو نہ چاہو — کچھ ایسی نہ تھی بات یہ تم جس پہ خفا ہو
دیتا نہیں لو قبر میں بھی داغ جگر کا — یوں بھی نہ چراغ آہ کسی گھر کا بجھا ہو
اترائے ہوئے پھرتے ہیں وہ چھین کے دل کو — مٹھی سے نکل جائے تڑپ کر تو مزا ہو
جھک جائے پئے سجدہ مرا سر نہیں ممکن — در پر ترے جب غیر کا نقش کف پا ہو
بن ٹھن کے جو مقتل میں آئے تو پیار آ گیا مجھکو — تعزیر کے قابل ہے وہی جس کی خطا ہو

دنیا کے بکھیڑوں سے مری جان چھڑا دی　　اللہ مرے کوسنے والے کا بھلا ہو

(۴۰)

دونوں تھے مرغوب ا ظالم ترے نخچیر کو　　دی جگہ خنجر کو گردن پر جگر میں تیر کو

مل نہیں سکتی کسی سے کتبۂ قسمت ہے یہ　　شو بھی رکھ کر تم ملا دیکھو مری تحریر کو

کس کو روکیں کس کو سمجھائیں کسے بہلائیں ہم　　جان بھی روتی ہے مثل دل جگر تقدیر کو

مرتے مرتے بھی رہا حفظ مراتب کا خیال　　موت کو دی جان میں نے دم دیا شمشیر کو

دونوں بچے چھن کے ہیں بر آہی جائے گی مراد　　آپ ڈھونڈھیں دل کو اور دل آپ کی تصویر کو

لطف کی باتیں ہوں اب عدہ خلافی ہو چکی　　میں تمھیں الزام دوں اور تم مری تقدیر کو

کوئی اب مجرم نہیں دونوں برابر ہو گئے　　تم ہمیں گھورا کیے اور ہم تمھارے تیر کو

اے رضا یہ عیش و غم سب ہیں کرشمے روح کے　　رونے ہنسنے سے غرض چشم و لب تصویر کو

(۴۱)

بار ہا کچلا ہے اس نے عاشقانِ زار کو　　کچھ تمھیں سمجھاؤ اپنے سایۂ دیوار کو

بسملوں پر کیا گزرتی ہے نہ اس کو پوچھیے　　سب دعائیں دے رہے ہیں آپ کی تلوار کو

نزع کے عالم میں کام آجاتے ہیں ضعیف درد　　بیٹھنا اُٹھنا سکھاتے ہیں ترے بیمار کو

داد خواہی کا سرِ محشر نیا انداز ہے　　چپ کھڑے ہیں تھام کر ہم دامنِ دلدار کو

سچ تو یہ ہے بات میرے منھ کی تم نے چھین لی　　موت ہی کھوئے تو کھوئے عشق کے آزار کو

ہم نے اس ڈر سے ناپا ہے قدِ دلبر رضا　　کیوں نہ آنکھوں میں چھپا رکھیں نگہ کے تار کو

(۴۲)

مدِ نظر جسے کوئی تیرے سوا نہ ہو　　ممکن نہیں وہ آنکھ حقیقت نما نہ ہو

ذکرِ شراب کر کے زباں دھو رہا ہے شیخ　　ہو لیکن اس قدر بھی کوئی پارسا نہ ہو

اچھی کہی کہ جانے بھی دو دل گیا گیا — ممکن نہیں غم اپنی گئی چیز کا نہ ہو
ایمان میرے دل میں حرم کا چراغ ہے — او بت کہیں یہ تیرے بجھائے بجھا نہ ہو
جام شراب ہاتھ میں لے کر جناب شیخ — ہر سمت دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو
ہاں بے علاج چھوڑ دیں اب مجھکو چارہ ساز — یہ بھی تو اک دوا ہے کہ کوئی دوا نہ ہو
عالم ہے سوز دل کا چراغ مزار میں — باد صبا یہ تیرے بجھائے بجھا نہ ہو
پچھتاؤ گے کبھی نہ کبھی لے کے دل ضرور — میرا نہ جو ہوا وہ تمھارا ہوا نہ ہو
اُن نزع میں نہ ایک کی بھی روح نے سُنی — رگ رگ پکارتی رہی ہم سے جدا نہ ہو
اُف کرکے کیوں یہ بیٹھ گیا قیس دشت میں — دیکھو تو کوئی پاؤں میں کانٹا چبھا نہ ہو
چٹکی میں جو ٹھہر نہ سکے تیر ہے ترا — وہ میری آرزو ہے جو دل سے جدا نہ ہو
باور کرے گا کون خود انصاف سے کہو — تم چاہو اور دید کا وعدہ وفا نہ ہو
برہم اگر ہیں بُت تو ہمیں غم نہیں رضا — اُس کا خدا ہے جس کا کوئی آسرا نہ ہو

﴿۴۳﴾

رات دن دل کو تصور ابروئے قاتل کا ہے — ہو نہ ہو یہ پیش خیمہ گور کی منزل کا ہے
ناز و انداز و ادا شوخی کرشمہ بانکپن — چور ہیں یہ چار ان میں کوئی ہمارے دل کا ہے
دفن بھی کر دے ہمیں مقتل بنے مرقد مرا — مضطرب ہونے سے یہ مقصد ترے بسمل کا ہے
کیوں نہ ایذا پائے دنیا میں تونگر سے غریب — ہر تھپیڑا موج کا دشمن لب ساحل کا ہے
خیر ہو ہم آہ کرتے ہیں نہیں یارائے ضبط — سامنا ہے عشق آج افشائے راز دل کا ہے
تیر ہے وہ آپ کا جس کا ٹھہرنا ہے محال — جو نکل سکتا نہیں ارمان وہ میرے دل کا ہے

﴿۴۴﴾

شوخی ہو اس میں یا کہ ادا ہو حضور کی — چوری ہمارے دل کی کسی نے ضرور کی

یہ سب سہی کہ موت نہ تھی سخت جاں تھا میں — چلنے میں تیغ نے بھی کمی کچھ ضرور کی
پوچھیں نہ آپ مجھ سے جفا و وفا کا راز — عادت یہ میری اور وہ خو ہے حضور کی
جو چاہو دو سزا تمھیں گھورا ہے بزم میں — ہاں ہاں ہوا قصور خطا تو ضرور کی
کیوں بے حساب خلد میں جاتا نہ میں رضا — فرد گنہ پہ مہر تھی رب غفور کی

(۴۵)

تیغ سے جب آشنائی ہوگئی — سارے جھگڑوں سے رہائی ہوگئی
بات بھی ہوتی ہے اچھی کس قدر — منھ سے نکلی اور پرائی ہوگئی
حشر کے دن جس طرف تو ہو گیا — اس طرف ساری خدائی ہوگئی
کچھ کہا تھا اُٹھ گئے پہلو سے وہ — باتوں باتوں میں جدائی ہوگئی
مرحبا اے خنجر ابروئے یار — جس طرف دیکھا صفائی ہوگئی
کیوں رہا کرتے ہو چپ چپ اے رضا — کیا کسی سے آشنائی ہوگئی

(۴۶)

مرحبا شوق تصور تری قوت دیکھی — جس طرف آنکھ اُٹھائی وہی صورت دیکھی
پہلے دیا سا مجھے اُن غیر کے گھر سے آواز — پھر خود اُس شوخ کا کہنا کہ شرارت دیکھی
دخت رز پر ہے وہ جوبن کہ الٰہی توبہ — ہم نے زاہد کی بدلتے ہوئے نیت دیکھی
میری قسمت سے ہے قاصد کا مقدر اچھا — خط مرا لے کے گیا یار کی صورت دیکھی
آئینہ توڑ کے کہتا ہے وہ کم سن میرا — اس نے بے پوچھے ہوئے کیوں مری صورت دیکھی
اپنے مرنے کا نہیں رنج یہ ہے رشک رضا — میں نے دشمن کی سسکتے ہوئے حسرت دیکھی

(۴۷)

حالِ دل کی اُنھیں خبر نہ ہوئی — اتنی سی بات عمر بھر نہ ہوئی

تم نے کاجل جو سنوارا آنکھوں کا — لے لیا دل مجھے خبر نہ ہوئی
الحذر اے درازیٔ شب غم — آ گئی موت اور سحر نہ ہوئی
جو مقدر میں تھا ضرور ہوا — بات جو چاہی عمر بھر نہ ہوئی
اے رضا اٹھ کے حشر میں پہونچا — قبر میں جب مری بسر نہ ہوئی

(۴۸)

اُن نہ آئے وہ مرے گھر تک کسی تدبیر سے — یہ مثل سچ ہے بشر مجبور ہے تقدیر سے
مرنے والے قتل گہ میں اپنی صورت دیکھ کر — آئینہ کا کام لیتے ہیں تری شمشیر سے
سانس اکھڑی، آس ٹوٹی مرحبا صد مرحبا — کام دو نکلے مرے اک آپ کی تاخیر سے
کچھ نگاہ شوق کرتی ہے ضرور اُن سے سوال — پھیر لیتے ہیں وہ منھ اپنا مری تصویر سے
بھول کر نہ اُس طرف کی راہ آئے آپ طرف — میں نے جب بدلا مقدر غیر کی تقدیر سے
دل سنبھالے دونوں ہاتھوں سے وہ آئے میرے گھر — منفعل خود ہوں رضا میں آہ کی تاثیر سے

(۴۹)

یاں ابھی ہے کرب میں جاں مورد بیداد کی — واں ادا ہونے لگیں رسمیں مبارکباد کی
خواب میں پائی ہیں کلیاں گلشن شاد کی — آرزو اب خاک نکلے گی دل ناشاد کی
نیل پڑ جائیں گے پڑ جائیں مگر لو چٹکیاں — آرزو کچھ تو نکالو اس دل ناشاد کی
اپنے سر پر جس کو رکھا ہے بگولوں نے رضا — خاک ہوگی وہ ہمارے خانۂ برباد کی

(۵۰)

یہ مانا میں نہیں مظلوم بیجا ہے فغاں میری — کسی دن گوش دل سے سن تو لے اے آسماں میری
حیا خلوت میں ہوگی ساتھ وہ کہتے ہیں اُف مجھ سے — یہی اک ساتھ کی کھیلی ہوئی ہے رازداں میری
ابھی تو چھیڑ کی باتیں ہیں اور ظالم سر محفل — عدو کے ذکر میں آئی کہانی درمیاں میری

چلے گی غیر پر بھی تیغ میرے ساتھ سُنتا ہوں
آگئی آبرو رکھنا بوقتِ امتحاں میری

ترے زانو پہ مرتے دیکھ کر مجھکو خضر بولے
کہ اس مرنے پہ صدقے ہے حیات جاوداں میری

بھرے مجمع میں سر مانگا گیا تھا میری ہمت سے
نہ جھکتی کس طرح گردن بوقتِ امتحاں میری

چلوں کس طرح میں اُٹھ کر نقاہت تو ہی بتلا دو
نظر بھی جا نہیں سکتی ہے سوئے کارواں میری

رضاؔ یہ لکھنؤ کا فخر کچھ بے جا نہیں ہرگز
کہ اچھی ہے کہیں اب دِلّی والوں سے زباں میری

(۵۱)

چُبھ چُبھ گئے ہیں کانٹے جب سیر کی ہے بن کی
رہ رہ کے یاد آئی راحت مجھے وطن کی

ہنس ہنس کے آج باتیں کرتا ہے کون کس سے
جل جل کے بجھ رہی ہیں کیوں شمعیں انجمن کی

او بیرحی عالم تجھ سے وہ کیا ڈرے گا
دیکھی ہے شان جس نے قاتل کے بانکپن کی

پُرسش سے حشر کے دن دیوانے بن کے چھوٹے
ہاتھوں میں لے کے پہونچے ہم دھجیاں کفن کی

آنکھوں سے ڈھل کے آنسو مٹی میں مل رہے ہیں
اب کیوں نہ یاد آئیں آسائشیں وطن کی

کیوں سر کے بل چلا ہے کلکِ رضاؔ ٹھہر جا
طے کس سے ہو سکی ہیں یہ منزلیں سخن کی

(۵۲)

موقع محل خیال میں رکھا کرے کوئی
چوری چھپے سہی مگر آیا کرے کوئی

بالیں پہ میری بیٹھ کے رونے سے فائدہ
مرنا اگر بُرا ہے تو اچھا کرے کوئی

آخر کو بے نقاب وہ یہ کہہ کے ہو گیا
کس کس سے آج حشر میں پردا کرے کوئی

انسان ہی سے ہوتی ہے دنیا میں بھول چوک
یوں بات بات پر تو نہ کوسا کرے کوئی

محفل میں مجھ کو دیکھ کے کہتے ہیں وہ رضاؔ
دروازے پر اِن البوں کو رد کا کرے کوئی

(۵۳)

ہم عشق باندازِ زلیخا نہیں کرتے
معشوق کی ایذا کو گوارا نہیں کرتے

بس دیکھنے ہی کی ہے ان اشکوں کی روانی — یہ دل کی لگی آگ بجھایا نہیں کرتے
ہم اُن سے بیاں کرتے ہیں قصہ شب غم کا — پھر بھی یہ کہے جاتے ہیں شکوا نہیں کرتے
یہ درد بھری آہ خدا خیر کرے آج — اے حضرت دل آپ کچھ اچھا نہیں کرتے
کیوں اے دل پژمردہ تجھے چین نہ دیں؟ — کمھلائے ہوئے پھول کو سونگھا نہیں کرتے
منہ ڈھانپ لیے ہیں وہ مری لاش پہ آکر — اور یہ بھی کہے جاتے ہیں پردا نہیں کرتے
دیکھو تمہیں پھر کوئی مسیحا نہ کہے گا — اچھا نہیں کرتے مجھے اچھا نہیں کرتے
ممکن نہیں ہو نقل میں سب اصل کے اوصاف — تصویر کے بادل کبھی برسا نہیں کرتے
چٹکی سے مسلتے ہیں رضا وہ مرے دل کو — پھر کہتے ہیں ہم خون تمنا نہیں کرتے

(۵۴)

چادر قبر نشان کف پا ہوتا ہے — قابل دید مزار غریبا ہوتا ہے
مل گیا تیری جفاؤں کے اٹھانے کا صلہ — قبر پہ مجمع ارباب وفا ہوتا ہے
نزع میں روح بھی اُف چھوڑتی ہے جسم کا ساتھ — سچ ہے دنیا میں بھی وقت برا ہوتا ہے
گھورے آئینہ تو آتا ہے تبسم اُس کو — میں اگر پیار سے دیکھوں تو خفا ہوتا ہے
پوچھتا ہے یہ مرا نزع کا عالم اُن سے — کہیے کچھ آپ بھی واقف ہیں یہ کیا ہوتا ہے
تیرے در تک کسی صورت سے تو آ پہونچا میں — اب یہ ڈر ہے کہ یہاں دیکھیے کیا ہوتا ہے
دل جگر دونوں سے کہرام کی آتی ہے صدا — تیر کس کا مرے سینے سے جدا ہوتا ہے
نزع میں دیکھ کے اس رنج میں روتے ہیں عدو — آج یہ قیدی آلام رہا ہوتا ہے
ایک کا ایک مخالف ہے رضا دنیا میں — چھوٹتا ہے کوئی بھی تجھے کیا ہوتا ہے

(۵۵)

مری آنکھ تجھ کو جدھر دیکھتی ہے — اُسی سمت پھر عمر بھر دیکھتی ہے

بناوٹ سے بالیں پہ اُور رونے والے　　تجھے پاس سے چشم تر دیکھتی ہے
دوا ہاتھ اُٹھا کر دعا دے رہی ہے　　کسے تیری ترچھی نظر دیکھتی ہے
قضا کیا سبب ہے کہ مخلوق ساری　　ترا راستہ عمر بھر دیکھتی ہے
عدم کے سفر کی تمنّا جہاں میں　　مری نبض آٹھوں پہر دیکھتی ہے
ابھی دیکھ اے دل بلائیں نہ لینا　　کسی کی چھٹیلی نظر دیکھتی ہے
کوئی تیر جوڑے ہوئے ہے جگر پر　　کسی کو ہماری نظر دیکھتی ہے
غضب ہے تری ترچھی چتون کی شوخی　　تڑپتے ہیں لاکھوں جدھر دیکھتی ہے
وہ گُل کر رہے ہیں رضا شمع تربت　　تماشا نسیم سحر دیکھتی ہے

(۵۶)

وہ دل جو مصیبت کا مارا نہیں ہے　　کسی کا ہو لیکن ہمارا نہیں ہے
رکاوٹ تری دیکھ لی اے مقدر　　جو ہم چاہتے ہیں وہ ہوتا نہیں ہے
مرا دل ہے ناصح جسے چاہوں دے دوں　　کچھ اس میں کسی کا اجارا نہیں ہے
تمہیں ہاتھ سینے پہ رکھ کر بتا دو　　سنبھالے سے کیوں دل سنبھلتا نہیں ہے
تم اُٹھ جاؤ بالیں سے میں نزع میں ہوں　　بُرا وقت ہے یہ تماشا نہیں ہے
رضا جان جائے گی اک دن سمجھ لو　　حسینوں سے ملنا کچھ اچھا نہیں ہے

(۵۷)

یہ کہہ کے دفن قبر میں ہم مر کے ہو گئے　　جھگڑے تمام آج مقدر کے ہو گئے
عاشق جو دل سے ساقی کوثر کے ہو گئے　　سیراب جام خلد سے وہ مر کے ہو گئے
کہدو کہ اب اُٹھ کے جائیں نہ او صنم بتا　　ہم تیرے در پہ بیٹھ کے پتھر کے ہو گئے
کی ہم نے آہ بزم میں وہ مسکرا دیے　　دونوں طرف سے وار برابر کے ہو گئے

دولت کمال کی انھیں ہاتھ آگئی رضاؔ
شاگرد جو میسر سخنور کے ہو گئے

(۵۸)

یہ سُن کے غیر اُن کی نظر سے اُتر گئے
تھے جتنے زخم میرے کلیجے کے بھر گئے

اس پوچھنے سے فائدہ کیوں آئے تھے یہاں
عشاق اب تو آپ کے کوچے میں مر گئے

جانے دو ایک تیر تو ہم نے چھپا لیا
تم بھی تو دل ہزاروں کے لے کر مکر گئے

ہم سے بھی راہ و رسم کبھی تھی اگر کہا
ہنس کر دیا جواب کہ وہ دن گزر گئے

اب منتیں بڑھائیے غیروں میں بیٹھ کر
ہم ایسے جتنے چاہنے والے تھے مر گئے

کیا پوچھتے ہو آمد و رفتِ یہاں کا حال
روتے ہوئے ہم آئے تھے باچشم تر گئے

دل دینے میں تو عذر نہیں سوچ ہے یہی
پھر کیا کریں گے لے کے اگر تم مکر گئے

نکلا جو دم حضور کے زانو پہ غیر کا
عشاق ایسی موت پہ بے موت مر گئے

نکلے جو دیر سے تو حرم کی طرف چلے
مایوس جب ادھر سے ہوئے ہم اُدھر گئے

پائی نمودِ نقشِ قدم بھی نہ ایک دن
دنیا سے خاک چھانتے اہلِ ہنر گئے

جب انتظار دید میں ہم مر گئے رضاؔ
نرگس کے پھول لا کے وہ تربت پہ دھر گئے

(۵۹)

ہر سنگلاخ ٹھوکر کہتی ہے ناتواں سے
زندہ نہ جا سکے گا تو کوچۂ بتاں سے

تیرا تو مرتبہ ہے برتر جمال اعلےٰ
غش آرہا ہے ہم کو موسیٰ کی داستاں سے

میں اس ادا کے صدقے اس کمسنی کے قرباں
کیا صاف کہہ رہے ہو اُٹھ جاؤ تم یہاں سے

اے پرسشِ قیامت دیکھا کمال تیرا
کھنچ کھنچ کے آرہے ہیں مجرم کہاں کہاں سے

تنکوں میں آگ دے کر صیاد ہے پشیماں
لو بجلیاں تڑپ کر نکلی ہیں آشیاں سے

مجکو وطن کی خبریں مل جاتی ہیں قفس میں
اُڑ اُڑ کے تنکے اکثر آتے ہیں آشیاں سے

اللہ ری تیری ہمت اے تیرِ آہِ عاشق
اتنے سے قد پہ دعویٰ لڑنے کا آسماں سے

لو ہو گئے تماشا میدانِ حشر میں بھی
ہم اپنے زخمِ دل سے وہ تیغِ خونچکاں سے

آنکھیں پھری ہوئی ہیں منکا ڈھلا ہوا ہے
جاتے ہیں مرنے والے یوں اے رضاؔ جہاں سے

(۶۰)

چھوڑ کر خود دامنِ تقدیر اپنے ہاتھ سے
اپنی حالت ہم نے کی تغییر اپنے ہاتھ سے

غیر ممکن ہے وہ نازاں ہو نہ اپنے جرم پر
جس کو دو تم بزم میں تعزیر اپنے ہاتھ سے

لطف ہو گر آرزوئے دل بھی نکلے ساتھ تھا
کھینچتا ہے کوئی اپنا تیر اپنے ہاتھ سے

ہاتھ اٹھا کر ایک بت کے سامنے اس عشق میں
ہم دعا کی کھو تے ہیں تاثیر اپنے ہاتھ سے

ایک دن ہو جائیں گے تقدیر کے پابند ہم
توڑ کر ہر رشتۂ تدبیر اپنے ہاتھ سے

جان ہم نے نذرِ غم کر دی رضاؔ اچھا کیا
جاتی یہ اک دن بہر تقدیر اپنے ہاتھ سے

(۶۱)

پھیر ساقی مجھے محروم نہ میخانے سے
گر پڑے مے نہ اُبل کر ترے پیمانے سے

دھن کا پکا اسے کہتے ہیں اثر ہو کہ نہ ہو
باز آتا نہیں ناصح کبھی سمجھانے سے

کیا یہ اُمید کروں میں کبھی پھر آئے گا؟
منع کرتا نہیں میں آپ کو گھر جانے سے

آج سب بیٹھ گئے پیرِ طریقت بن کر
کل نہ وہ صوفی جو نکالے گئے میخانے سے

تیری باتیں ہیں کہ مجذوب کی بڑ ہے ناصح
آج تک کوئی نہ سمجھا ترے سمجھانے سے

لوگ سچ کہتے ہیں یہ، بد سے ہے بدنام بُرا
وہ جھجکتے ہیں اکیلے مرے گھر آنے سے

پوچھا کرتے ہیں رضاؔ ہم دلِ گم گشتہ کو
کبھی گیسو سے کبھی شانے کے دندانے سے

۰۹۶

حیاتِ عشق

سید حسین میرزا صاحب عشق خلف سید محمد میرزا صاحب اُنس مرحوم لکھنؤ کے باشندے تھے۔ آپ کے چار بھائی اور تھے تعشق، عاشق، صبر اور صابر۔ آپ نے تحصیل فن اپنے والد ہی سے فرمائی اور کلام پر اصلاح بھی صرف انھیں سے لی۔ جناب اُنس مرحوم شیخ ناسخ کے ممتاز ترین شاگردوں میں تھے اور صاحب دیوان تھے جناب عشق کی دلی خواہش تھی کہ مرثیہ کے علاوہ ان کا کسی قسم کا کلام طبع نہ کرایا جائے چنانچہ اُن کے ورثا نے اس خواہش پر عمل کیا، لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ سب کلام رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا اور اب تو کالمعدوم ہی کا مصداق ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے سے صاحبان کمال کی موجودگی میں جناب عشق ہی کی وہ ذات تھی جس نے لکھنؤ میں ایک تیسرے مرثیہ گو خاندان کی بنیاد رکھی۔ قدرت نے تائید کی، زمانے نے سنبھالا اور کم سے کم اتنا موقع ضرور دیا کہ اس خاندان کے افراد یکے بعد دیگرے مدح اہلبیت علیہم السلام اور خدمت زبان و ادب برابر کرتے رہے۔ آج بھی انجمن محافظ اُردو کی اشاعتیں جو خدمت دین اور اشاعت ادب دونوں پر مشتمل ہیں، حضرت مہذب لکھنوی کے ذوق صحیح کا نتیجہ ہیں جو ہمارے دعوی کی واضح دلیل ہے۔

حضرت عشق مرحوم نے سیکڑوں مرثیے اور ہزاروں رباعیاں اور سلام کہے اور ساتھ ہی ساتھ آئینۂ طبع پر صیقل کی غرض سے مرثیے کے علاوہ غزل گوئی کا سلسلہ بھی جاری کیا لیکن یہ سب کلام اول تو کافی عرصہ تک طبع نہ ہو سکنے کی وجہ سے ضائع ہو گیا اور جو کچھ ہے وہ کُل شائع

کرنا بھی مقصود نہیں ہے۔ صرف مختصر سا کلام یہاں شائع کیا جا رہا ہے تاکہ اس صنف سخن
بھی جو کچھ طبع آزمائی کی گئی ہے اُس کا کسی قدر نمونہ عوام کے سامنے پہونچ جائے اور جب تک
وہ سکے باقی رہ جائے۔

جناب عشق مرحوم نے مشق فن کی غرض سے پورے چودہ سال تک اپنے کو ایک مکان
میں خود گویا محصور کر رکھا تھا اور جو کچھ نظم کرتے تھے اس کو پھاڑ کر پھینک دیتے تھے۔ اسطرح
کی مشق کے بعد جب کمال پر اطمینان حاصل ہو گیا تو میدان میں آئے اور زبان کے متعلق کچھ
خاص اصول اور معتقدات بھی اپنے ہمراہ لائے جس پر خود تا حیات پابند رہے اور اُنکے
بعد ان کی اولاد نے اس کی پابندی جاری رکھی۔ ان اصطلاحات و متروکات کے بیان سے
اس وقت خوف طوالت ہے لہٰذا اس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ کسی مناسب موقع پر
کیا جائے گا۔

میر عشق مرحوم کے مرثیوں کی دو جلدیں مسمّٰی بہ گلزار غم و برہان غم آپ کی زندگی میں
طبع ہوئی تھیں اس کے بعد دوبارہ طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی، صاحبان ذوق حضرات کی
طرف سے ان جلدوں کی کافی طلب ہے لیکن وہ اب بازار سے مفقود ہو گئی ہیں اور انشاء اللہ
انجمن محافظ اُردو اُن کو کسی مناسب موقع پر طبع کرائے گی۔ فی الحال موجودہ ماہوار سلسلے
میں مرحوم کے مرثیوں کی ایک جلد آئندہ کسی مہینے میں شائع کی جائے گی جس میں جو کچھ
مرثیے غیر مطبوعہ موجود ہیں وہ بھی شامل ہوں گے اور بقیہ مطبوعہ کلام سے بہترین انتخاب
بھی شامل ہوگا جو انشاء اللہ زبان و ادب میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔

میر عشق مرحوم کے والد سید محمد میرزا صاحب اُنس ایک مستطیع اور صاحب حیثیت
بزرگ تھے لیکن میر عشق خود ایسے تنک مزاج، خود دار اور غیور واقع ہوئے تھے کہ
اپنا اور اپنے اہل و عیال کا بار باپ پر ڈالنا گوارہ نہ کیا جس کے نتیجہ میں ابتدائی

عمر بہت پریشانیوں اور دشواریوں میں بسر ہوا لیکن اس کے بعد سے تمام عمر نہایت اطمینان اور فارغ البالی کے ساتھ بسر ہوئی۔ گنگا جمنی ہوادار پر سوار ہو لیے، خوش پوشی کا بہت شوق تھا، روزانہ اُجلا لباس بدل لیا جاتا تھا، خود بھی وجیہہ اور جامہ زیب تھے لیکن شوق لباس و آرائش دنیا نے بے ثباتی عالم کی طرف سے بے پرواہ نہیں ہونے دیا۔ انجام کی تصویر ہر وقت پیش نظر تھی، اپنی ایک رباعی میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے جس کے آخری دو مصرع یہ ہیں۔ ؎

کیا عشق اگر روز بھی بدلی پوشاک تربت میں کفن کون بدلوائے گا

میر عشق مرحوم کو لڑکیوں کے علاوہ خدا نے دو فرزند کرامت فرمائے تھے۔ ان میں چھوٹے بھائی سید خورشید میرزا صاحب تھے جو عمر طبعی تک پہنچنے کے بہت قبل انتقال کر گئے تھے اور بڑے بھائی سید حیدر میرزا صاحب ادیب اپنے والد کے جائز جانشین ہوئے جو اپنے اس استحقاق کے ہر حیثیت سے اہل بھی تھے، ان کا مفصل ذکر انشاءاللہ جب ان کی جلد شائع ہوگی تو اس میں کیا جائے گا۔

میر عشق مرحوم کے شاگردوں کی فہرست اگرچہ بہت طویل ہے لیکن اُن میں سے بعض تو ایسے تھے کہ اپنے وقت کے خود استاد ہو کر رہے۔ تعشق و رشید بھی آپ ہی کے فیض اصلاح سے دنیا کے سامنے استادان فن کی فہرست میں ممتاز جگہ کے مالک ہوئے۔ اور حیدر میرزا صاحب ادیب اگرچہ چھتیس سال کی عمر ہی میں انتقال فرما گئے لیکن جتنے دن بھی زندہ رہے ان کو وہی مرجعیت حاصل رہی جو اُن کے والد مرحوم کو تھی۔

حیدر میرزا صاحب ادیب کے انتقال کے وقت ان کے بڑے فرزند سید عسکری میرزا صاحب مودب کی عمر بہت کم تھی اور میر عشق کے گھرانے سے خلوص رکھنے والے اور علم و کمال کی قدر کرنے والے حضرات کو انتہائی فکر پیدا ہو گئی کہ خاندان عشق کے کمالات کا چراغ اپنی لو رائی

چمک دمک کے ساتھ کیونکر چل سکے گا لیکن مسبب الاسباب نے مناسب ذرائع پیدا کر دیے۔ وحید عصر حضرت رشیدؔ سا چچا موجود تھا، فن شاعری کی تکمیل جانشین کی توجہ و شفقت سے بارآور ہو کر رہی اور بہت زمانہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ حضرت مؤدب مدظلہٗ کی ذاکری قابل ذکر نظر آنے لگی۔ ممدوح کے مخصوص رنگ کلام اور پُرخلوص مدح امام انام نے ایک مدت تک دنیائے مرثیہ گوئی میں اپنا سکہ جمائے رکھا اور آج اگرچہ بوجہ پیرانہ سالی موصوف خواندگی کی زحمت برداشت کرنے سے معذور ہو چلے ہیں لیکن ان کا کلام ابھی اسی طرح جوان ہے جیسا کہ خود ان کی جوانی کے وقت تھا۔ اور انشاء اللہ منتخب کلام کی ایک قابل دید جلد آئندہ مہینہ کی اشاعت میں ہم اپنے اسی ماہوار زریں سلسلے میں شائع کرنے والے ہیں جو امید ہے کہ بے حد پسند کی جائے گی۔ اس جلد کا نام بہار مؤدب رکھا گیا ہے۔

اسی خاندان کی ہونہار فرد سید محمد میرزا صاحب مہذبؔ ہیں جن کی حمایت و صدارت میں انجمن محافظ اردو آج زبان و ادب کی ناقابل انکار خدمت کر رہی ہے۔

میر عشقؔ کے خصوصیات کلام میں ان کے وہ متروکات زبان ہیں جن کا استعمال اُنھوں نے اپنے لیے معیوب سمجھ لیا تھا اور ان کی اولاد میں آج بھی اُن اصول کی پابندی چلی آتی ہے جس کا مفصل تذکرہ آئندہ کسی موقع پر کیا جائے گا۔

حضرت عشقؔ نے ۲۴ر شعبان ۱۲۹۲ھ کو انتقال فرمایا اور اپنے سکونہ مکانات میں سے ایک مکان کی شہ نشین پر دفن ہوئے۔ ان کی قبر کے ایک پہلو میں ان کے ایک عزیز ترین شاگرد میاں جودت مرحوم کی قبر ہے جنھوں نے وصیت کی تھی کہ اُن کو اُن کے اُستاد کے پہلو میں دفن کیا جائے۔

۶۸۶

انتخاب از کلام حضرتِ عشق لکھنوی

غزلیات

(۱)

دل آپ خون ہے جامِ شراب کیا ہوگا
مزا ہے سوزِ جگر میں کباب کیا ہوگا

فنا ہوا کسی غمگیں نے لی جو ٹھنڈی سانس
مقابلِ دلِ نازک حباب کیا ہوگا

نہیں ہے کھیل نہیں کچھ سوائے خوں ریزی
یہ بچپنے کا ہے عالمِ شباب کیا ہوگا

یہ کہہ کے ہم سے شبِ ہجر دل ہوا رخصت
ہمیں نہ ہوں گے تو پھر اضطراب کیا ہوگا

ہوا پہ اُڑ گئی زور آوروں کی ہستی تک
نشانِ تربتِ افراسیاب کیا ہوگا

ہوا ہمارے دلِ داغدار کا شہرہ
فروغ اب تجھے اے ماہتاب کیا ہوگا

دیا جو غیر کو دل لے کے عشق سے حاصل
کسی کا مال کوئی دے ثواب کیا ہوگا

(۲)

عشق میں اپنے کو ہر ایک جو کامل سمجھا
دل کو سمجھا نہ کبھی میں نہ مجھے دل سمجھا

قدرِ بیتاب کی بیتاب کو ہو یا کہ نہ ہو
رتبۂ ماہیٔ بے آب مرا دل سمجھا

کوئی غم دوست نہیں دارِ محن میں مجھ سا
جو ملا درد رسیدہ میں اسے دل سمجھا

کیوں نہ دوں ناوکِ مژگاں کو جگہ پہلو میں
جس سے ایذا مجھے پہنچی میں اُسے دل سمجھا

بے گماں آئینۂ روئے حقیقت ہے مجاز
میں نہ سمجھا کبھی جو بات اُسے دل سمجھا

ہے ترے ہاتھ میں یہ دزدِ حنا کا جلوہ
میں چراغِ کفِ موسیٰ کے مقابل سمجھا

اللہ اللہ مرے قاتل کی نزاکت کا اثر دم نکلنے کو تنِ زار سے مشکل سمجھا
تا دمِ نزع حسینوں کی محبت نہ گئی جان کی قدر نہ اے عشقؔ کبھی دل سمجھا

(۳)

لٹا کے کوچۂ جاناں میں نقدِ جاں اُٹھا اٹھا کے بارِ محبت میں ناتواں اُٹھا
ہوئی جو آمدِ غم دل میں کی قضا میں نے جہان سے پئے تعظیمِ میہماں اٹھا
گلی سے یار کی تابوت لے چلے میرا چمن سے بلبلِ شیدا کا آشیاں اُٹھا
گلی میں آپ کی دم بھر ضرور بیٹھ گیا ستم کو پہلے پہل جب کوئی جواں اُٹھا
یہ اُس کے نقشِ قدم کا ہو رنگ گلشن میں سمجھ کے پھول اُٹھانے کو باغباں اُٹھا
ہوا ہے عشقِ کمر ہم کو عشقؔ ابرو میں فسادِ بیتِ مقدس کے درمیاں اُٹھا
مثالِ آنسوؤں سے غم تو آہ کی میں نے جرس کا شور پسِ گردِ کارواں اُٹھا
ملا کے خاک میں ہم کو عبث پشیماں ہو گرا جو آنکھ سے آنسو وہ پھر کہاں اُٹھا
کہا یہ قیس نے ہم مرگئے جو صحرا میں جہاں سے آج غریبوں کا قدرداں اُٹھا
وہ قیس ہوں جو بٹھایا مجھے پئے تعزیر اُڑا کے دامنِ محشر کی دھجیاں اُٹھا

(۴)

اُس حور کے گھر سے کہیں جایا نہیں جاتا جنت سے قدم آگے بڑھایا نہیں جاتا
کیوں سوئے لحد ناز سے آیا نہیں جاتا عیسیٰ ہمیں مارا ہے جلایا نہیں جاتا
کہتے ہیں یہی پارۂ دل ہاتھ میں لے کر وہ آئینہ توڑا کہ بنایا نہیں جاتا
خط پھینک دیا یار نے پڑھتے ہی مرا نام تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا
پچھتاؤ گے ویراں نہ کرو خانۂ دل کو یہ گھر جو اُجڑتا ہو بسایا نہیں جاتا
کیونکر دلِ ناشاد کے داغوں کو مٹاؤں کعبے کے چراغوں کو بجھایا نہیں جاتا

الٹی ہے نقاب آپ نے تلوار لگا کے
مہتاب سے زخمی کو چھپایا نہیں جاتا

اے نزع کرے کون تساہل کی شکایت
وہ پوچھتے ہیں حال سنایا نہیں جاتا

گر ضعف یہی ہے تو میں لاغر نہ مروں گا
اب سوئے عدم روح سے جایا نہیں جاتا

لاکھوں کے گلے نام خدا کاٹ چکے ہو
منت کا ابھی طوق بڑھایا نہیں جاتا

سرکا مرے لاشے سے یہ کہہ کر وہ مسیحا
سویا ہے ابھی عشق جگایا نہیں جاتا

(۵)

نہ وہ کمر نظر آئی نہ وہ دہاں دیکھا
سنا ہے نام کسی نے انھیں کہاں دیکھا

گل آئے اڑ کے زہے جذب الفت بلبل
قفس کے چاک سے جب سوئے بوستاں دیکھا

کسی حسین سے کیونکر وفا کے طالب ہوں
یہ ہے وہ جنس ہمیشہ جسے گراں دیکھا

یہ سینہ ان کی نگہ سے جلے گا، طائر دل
خدا بچائے کہ بجلی نے آشیاں دیکھا

نہ بلبلیں ہیں نہ گل ہیں غبار اڑتا ہے
چمن کا رنگ بھی کچھ تو نے باغباں دیکھا

نہیں ہے عرش سے رتبے میں کم ہمارا دل
کبھی یہاں تمھیں پایا کبھی وہاں دیکھا

چلی نہ تیغ کسی پر ہمارے قتل کے بعد
حضور نے اثر خون ناتواں دیکھا

نہ پوچھو ہم نفسو حال گوشۂ مرقد
ہوا بہت خفقاں جب نیا مکاں دیکھا

نکل کے روح نے کی سیر عالم بالا
گئے جو زیر زمیں لطف آسماں دیکھا

رہا جو عشق کو سودائے نشتر مژگاں
رگوں سے بعد فنا بھی لہو رواں دیکھا

(۶)

دل خون ہو کے دیدۂ تر سے ٹپک گیا
ساقی ہماری عمر کا ساغر چھلک گیا

تجھ سا ہو کون درد رسیدہ جہان میں
جب آہ کی کسی نے کلیجہ دھڑک گیا

آگے بڑھے جو روز جزا ہم سے دل جلے
پیچھے ہزاروں کوس جہنم سرک گیا

اللہ ری معصیت، اثرِ بارِ معصیت — جس نے ہماری لاش اٹھائی وہ تھک گیا
اے گل تمہارے عاشقِ کامل ہوئے جو دفن — بوئے وفائے شہرِ خموشاں مہک گیا
اٹھا مشاعرے سے جہاں شعر پڑھ کے عشق — سب نے کہا کہ باغ میں بلبل چہک گیا

(۷)

برہم ذرا جو ساقیِ پیماں شکن ہوا — ٹکڑے مثالِ شیشہ دلِ انجمن ہوا
دریا ہمارے آنسوؤں کا موجزن ہوا — شکلِ حباب گنبدِ چرخِ کہن ہوا
پیرو ہمارے سیکڑوں ہیں دشت و کوہ میں — کوئی غریب قیس، کوئی کوہ کن ہوا
زخموں میں نورِ عارضِ جاناں سے ہو چمک — چھٹکی جو چاندنی تو شگفتہ چمن ہوا
یکرنگ تھے جو دوست الٰہی وہ کیا ہوئے — ہیہات پائمال چمن کا چمن ہوا
آتے ہیں لکھنؤ میں نظر کیسے مرد و زن — گلزار آشیانۂ زاغ و زغن ہوا
سب تاجدارِ نظم سدھارے تہِ زمیں — مملو سرِ کُلاہوں سے ملکِ سخن ہوا
اے عشق جی لگے تو کہوا دو چند شعر — گو کچھ مزا نہیں کہ ذلیل اب یہ فن ہوا

(۸)

ہوتے ہیں دل تباہ تری انجمن کے پاس — لٹتا ہے کاروانِ عنادل چمن کے پاس
وہ کشتۂ فراق ہوں میں پھر گئی ہوا — میرا غبار اڑ کے جب آیا وطن کے پاس
تاثیرِ سوزِ دل نے بچایا مزار میں — مارِ عذاب جل گئے آ کے کفن کے پاس
مجنوں نہ پوچھ عالمِ غربت میں حالِ دل — ہم چھوڑ آئے ہیں اسے اہلِ وطن کے پاس
کیونکر نہ روؤں دیکھ کے شیشہ کا ٹوٹنا — ہے دل کا آئینہ کسی پیماں شکن کے پاس
بلبل تجھے نصیب گلوں سے چمن میں ربط — ہم بھی وطن میں تھے کبھی اہلِ وطن کے پاس
کھاتے ہیں داغ کوچۂ جاناں سے دور ہیں — طاؤس ہیں مگر نہیں جاتے چمن کے پاس

اے عشق چل کے دشت میں چندے بسر کرد | گر ہو سکے تو آؤ نہ اہلِ وطن کے پاس

(۹)

رکابِ رشکِ تُستر ہو غبار کے قابل | نہ تھا عروج یہ مجھ خاکسار کے قابل
کلامِ شیخ و برہمن سُنا کیے اکثر | کسی کی بات نہیں اعتبار کے قابل
پسِ فنا بھی تکلف ہے اپنی طینت میں | جگہ کہیں نہیں ملتی مزار کے قابل
نثارِ داغِ غم و داغِ حسرت و حرماں | یہی چراغ ہیں اپنے مزار کے قابل
دمِ حساب یہ میرے گنہ پکار رہیں گے | ہم اے رحیم نہیں ہیں شمار کے قابل
نہ باغ سے ہمیں امید ہو نہ صحرا سے | نہ ہم ہیں پھول کے قابل نہ خار کے قابل
بہت نفیس کفن ہم کو دوستو دینا | لباس چاہیے دربارِ یار کے قابل

(۱۰)

صنم کیوں دلوں میں در آئے ہوئے ہیں | یہ گھر تو خدا کے بنائے ہوئے ہیں
نکیرین پوچھو نہ کچھ سوال ہم سے | ابھی ہم نئے گھر میں آئے ہوئے ہیں
نہ بندِ کفن وا کرو ہم نشینو | گنہگار ہیں منہ چھپائے ہوئے ہیں
اُترتا ہے مدفن میں عاشق کا لاشہ | ابھی آپ تیوری چڑھائے ہوئے ہیں
گئے کوہ و صحرا میں فرہاد و مجنوں | یہ رستے ہمارے بتائے ہوئے ہیں
کرے عشق سجدے نہ کیوں تیرے در پر | یہاں سب سروں کو جھکائے ہوئے ہیں

(۱۱)

رہی ہیں یاد کسی مہ کی بانکیاں برسوں | جگر کے داغ میں چمکی ہیں بجلیاں برسوں
سہیں تساہلِ قاتل کی سختیاں برسوں | قریبِ مرگ رہے آئیں ہچکیاں برسوں
اُڑی ہوائے رخ و زلف میں ہماری خاک | چمن میں آئیں سرِ شام آندھیاں برسوں

خیال تھا کہ دم نزع آپ آئیں گے | پھری رہیں مری آنکھوں کی پتلیاں برسوں
بیان حور و شراب طہور کیا زاہد | سُنا کیا ہوں میں ایسی کہانیاں برسوں
کھلے حسینوں کے سر عشق میرے ماتم میں | گندھیں نہ ماہ جبینوں کی چوٹیاں برسوں

(۱۲)

چڑھی ہیں ان کی آنکھیں کہ ہوئے تاتار جلتے ہیں | عجب سورسے بل کھاتی ہیں زلفیں مار جلتے ہیں
ہوئے ہیں خشک آنسو دیدۂ خونبار جلتے ہیں | صدف میں آب جو یہ گرمی گوہر شہوار جلتے ہیں
نگاہ گرم عاشق سے اٹھا ہو جب نقاب ان کا | مثال چشم سوزاں روزن دیوار جلتے ہیں
وہ کہتے ہیں کہ جاؤ ہم بھی کہتے ہیں خدا حافظ | یہاں ہوتی ہیں کچھ باتیں وہاں اغیار جلتے ہیں
ہمیں پھولوں کے رنگ آتشیں سے ہو گیا ظاہر | ہمیشہ گلشن ایجاد میں زردار جلتے ہیں
کوئی پوچھے مسیحا سے مگر یہ رات بھاری ہے | پریشاں کیوں چراغ خانۂ بیمار جلتے ہیں
گری ہو ہر طرف بجلی خریداروں کی آہوں سے | وہ یوسف ہو ابھی گھر میں مگر بازار جلتے ہیں
نہ پوچھو عشق سے جاؤ جو ہو غیروں کے گھر جانا | جلانے میں ہو تم مختار ہم ناچار جلتے ہیں

(۱۳)

قتل سب عاشق ناشاد ہوئے جاتے ہیں | آج گھر سیکڑوں برباد ہوئے جاتے ہیں
رحم آیا ہے جو اسیران کہن پر ان کو | مدد اے ضعف ہم آزاد ہوئے جاتے ہیں
ہے عجب شوق اسیری ترے دیوانوں کو | داخل خانۂ صیاد ہوئے جاتے ہیں
الفت دیر و حرم رکھتے ہیں دل میں باہم | موجد صنعت اضداد ہوئے جاتے ہیں
عشق ہوتا ہے قلق رنج قلق سے ہم کو | کوئی ہنستا ہو تو ہم شاد ہوئے جاتے ہیں

(۱۴)

ادائے ناز سے شوخی سے بانکپن سے چلو | یہی ہیں چلنے کی راہیں مگر چلن سے چلو

دلِ رقیب سیہ دل سے چاہیے پرہیز
بنے ہو چاند تو بچتے ہوئے گہن سے چلو

کفن ہو جامۂ ہستی سے بڑھ کے خانۂ دل
نئے مکاں میں نہ اس کہنہ پیرہن سے چلو

ہوا ہوں پیر ہیں سوزاں اجل یہ کہتی ہے
سحر ہو شمع کی صورت اس انجمن سے چلو

خزاں میں کچھ نہ بنے گی ہو پھول مرجھائے
ہوا بگڑ گئی اے بلبلو سمن سے چلو

اٹھائیں گے یہی کہہ کے گنہگاروں کو
خجل ہو منہ کو چھپائے ہوئے کفن سے چلو

ہجومِ داغ ہو رخصت ہو کوئے جاناں سے
ہزاروں پھول لے عشق بس چمن سے چلو

(۱۵)

بڑھے گا جو داغِ جگر رفتہ رفتہ
یہ تارا بنے گا قمر رفتہ رفتہ

کھلے روز دل میں گلِ داغِ حسرت
ریاضت کے پائے ثمر رفتہ رفتہ

بھروں گا جو رہ رہ کے میں سرد آہیں
چلے گی نسیمِ سحر رفتہ رفتہ

کبھی دام میں گاہ تڑپے قفس میں
شکستہ ہوئے بال و پر رفتہ رفتہ

ملو گے رقیبوں سے بگڑے گی عادت
دکھائے گی صحبت اثر رفتہ رفتہ

جو میں روکتا ہوں تو کہتا ہے یہ دل
ٹھہر جائیں گے ہم مگر رفتہ رفتہ

غنیمت ہو اس طرح میں عشق یہ بھی
نہ ہو جائے بیکار اگر رفتہ رفتہ

(۱۶)

فلک نے صورتِ عیشِ دلِ حزیں بدلی
غضب ہوا کہ یارِ مہ جبیں بدلی

جہاں میں گورِ غریباں مقامِ راحت ہے
کہ سونے والوں نے کروٹ کبھی نہیں بدلی

یہ آسمان کا عالم ہو میری آہوں سے
کہیں کہیں ہیں ستارے کہیں کہیں بدلی

گلوں میں اب نہ وہ خوشبو نہ رنگ باقی ہے
ہوائے باغِ جہاں اے دلِ حزیں بدلی

ہماری آنکھ پڑی رخ سے زلف پہ آخر
جگہ مریض نے ہنگامِ واپسیں بدلی

بنائی ہم نے عجب شکل جوشِ وحشت میں   گلے سے ہاتھ گریباں سے آستیں بدلی
بناؤ کیجیو پہلے کفن تو پہنا لو   تمہارے عشق نے پوشاک ابھی نہیں بدلی

(۱۷)

دل لینے آئے تھوڑی سی جب رات رہ گئی   اندھیر ہے غرض کی ملاقات رہ گئی
سب آئے تم نہ آئے تعلقات رہ گئی   ہم چل بسے امیدِ ملاقات رہ گئی
بارہ مہینے ہم کو جو رونے کا شغل ہے   سب اور فصلیں ہٹ گئیں برسات رہ گئی
ہم مر گئے تو اس نے کہا ہم کو باوفا   اچھا ہوا کہ جان گئی بات رہ گئی
رندوں کو پہلے زاہدوں سے تو نے دی نجات   واہ اے رحیم عاصیوں کی بات رہ گئی
داغِ جگر بھی کم ہوئے گھٹتے ہی یادِ زلف   بجھنے لگے چراغ جو کچھ رات رہ گئی
ہوتا ہے ذکر وامق و فرہاد و قیس کا   دنیا میں اہلِ دل نہ رہے بات رہ گئی
میکش کہیں گے روزِ جزا جا کے خلد میں   کیا آج زاہدانِ خوش اوقات رہ گئی
لے عشق دل بھی جان بھی ایماں بھی دے چکے   یہ تو کہو کہ گئی کہ ملاقات رہ گئی

(۱۸)

گرم فغاں جو دلِ سوزاں مرے پہلو میں ہے   لے شبِ فرقت شررِ کا طور ہر آنسو میں ہے
وہ ملائیں آنکھ تو آ جائے تنِ بیجاں میں جان   سچ ہے اعجازِ مسیحا نرگسِ جادو میں ہے
آ گیا تھا باغ میں کیا شب کو وہ معجز نما   جو یدِ بیضا کا عالم ہر گلِ شبو میں ہے
سب مرنے سے انھیں ایسی پریشانی ہوئی   حلقۂ ماتم کا عالم حلقۂ گیسو میں ہے
محوِ حسنِ چشم ہے دل عشقِ مژگاں چھوڑ کر   مسکنِ شیرِ نیستاں سایۂ آہو میں ہے
عشقِ مژگاں کر گیا ہے اس قدر دل میں اثر   جانتا ہوں تیر کا پیکاں مرے پہلو میں ہے
کس نے خود رفتہ کیا کیا رنگ ہے کیا حال ہے   عشق تم کو تو یہ دعویٰ تھا کہ دل قابو میں ہے

(۱۹)

ایمان مشک زار پریشاں میں رکھ لیے دل اے عجیب عنبر لرزاں میں رکھ لیے
ایوب سے ہے عاشقِ ابرو کو ہمسری عضرب جراحت تن عریاں میں رکھ لیے
قاتل کو تھا جو کشتوں سے در پردہ انتقام چھپا کے نامِ خنجر براں میں رکھ لیے
جز قیس دعشقؔ اور سبھوں کو رہا کیا کُل وہ اسیرِ خانۂ زنداں میں رکھ لیے

(۲۰)

ہم عاشقِ ابرو ہیں جفا سے نہیں ڈرتے تلوار پہ مرتے ہیں قضا سے نہیں ڈرتے
پروانہ ہو پیری میں بھی دل اُن کی ادا پر وہ شمع سحر ہیں کہ ہوا سے نہیں ڈرتے
ہے زاہدوں کو یاد نمازوں میں بتوں کی ایسے بھی ہیں بندے کہ خدا سے نہیں ڈرتے
ہنستا ہے وہ گل سن کے فغاں بلبلِ دل کی صیاد اسیروں کی صدا سے نہیں ڈرتے
مرجانے میں ہے دوریِ جاناں کا تصوّر ہم ہجر سے ڈرتے ہیں قضا سے نہیں ڈرتے
سر ہو درِ جاناں پہ نمازوں میں دُعا ہے سجدہ یہ ادا ہو تو قضا سے نہیں ڈرتے
ہے عشقؔ وسیلہ پسرِ شبیرِ حسن کا ہم معرکۂ روزِ جزا سے نہیں ڈرتے

(۲۱)

بادشاہِ عشق کو ہم نام رسوا چاہیے اپنے خاتم پر نگینِ داغِ سودا چاہیے
چشمِ عبرت محوِ سیرِ اہلِ دنیا چاہیے دیکھنے کا ماجرا ہو خوب دیکھا چاہیے
کشتۂ دیدارِ جاناں کو یہ پہلی رات ہے آج تربت پر چراغِ دستِ موسیٰ چاہیے
جو ہے خود رفتہ نہیں تکلیف اس پر زاہد گرم ہو بازارِ رحمت جنسِ سودا چاہیے
کچھ رقم کرنا ہے اُنکی سُرمگیں آنکھوں کا وصف ہم کو لے مجنوں سوادِ چشمِ لیلیٰ چاہیے
رہ گئی ہے آنکھ کھل کے حسرتِ دیدار میں چل کے حالِ نرگسِ بیمار دیکھا چاہیے

اس دلِ مایوس میں آؤ نہ بے ناز و ادا　　گھر جو ویراں ہو گزر اسمیں نہ تنہا چاہیے

جس پہ آیا دل وہی بیشک ہے نایاب ہے　　عشقِ سچ ہو چاہنے کے واسطے کیا چاہیے

(۲۲)

خوب الفت گیسوئے سیہ فام نہیں ہے　　اچھا مرے آغاز کا انجام نہیں ہے

وحشت میں خیالِ سحر و شام نہیں ہے　　ہم کو خبر گردشِ ایام نہیں ہے

جز دل تجھے کیا دوں کہ دیا نامۂ دلبر　　قاصد ترے قابل کوئی انعام نہیں ہے

کہتے ہیں تماشے لیے دیکھو نہ دمِ نزع　　ہٹ جاؤ تماشے کا یہ ہنگام نہیں ہے

جلوہ کسی میکش کی جبیں کا جو پڑا ہے　　کم خطِ شعاعی سے خطِ جام نہیں ہے

آیا ہے مگر بزم میں وہ قاتلِ عالم　　تلوار کا ڈورا ہے خطِ جام نہیں ہے

خود قبر میں ہے کاسۂ سر قبر کے باہر　　جمشید کو بالکل خبرِ جام نہیں ہے

سمجھے ہوئے ہیں خاک سے عاشق کی بنا ہو　　اُن کو جو توجہ طرفِ جام نہیں ہے

ہر دل میں ہو معشوقِ حقیقی کی محبت　　خالی مئے عرفاں سے کوئی جام نہیں ہے

ہے تیرے جلاتی ہوئے سرخ کی رنگت　　اک آگ کا شعلہ ہو مرا جام نہیں ہے

رہتے تھے شب و روز پرستاری دل میں　　جب سے وہ نہیں پاس کوئی کام نہیں ہے

ہے وصل میں ڈر ہجر کا فرقت میں غم وصل　　دنیا میں بشر کو غرض آرام نہیں ہے

سفاک اثر ہے یہ مرے جذبۂ خوں کا　　کاٹھی میں تری تیغ کو آرام نہیں ہے

پہنے ہوں کفن ہے درِ قاتل مجھے کعبہ　　زاہد یہ لباسِ جامۂ احرام نہیں ہے

ہم عشق میں رسوا ہوئے تو مکر میں زاہد　　ہے کون زمانے میں جو بدنام نہیں ہے

(۲۳)

دل نہ رہتا ہے اکیلا نہ جگر رہتا ہے　　درد رہتا ہے ادھر داغ ادھر رہتا ہے

کوئی ہو جائے گا رخصت کوئی مر جائے گا دھیان کچھ بھی تجھے اے مرغ سحر رہتا ہے

کچھ عجب خوف کی جا ہے یہ سرائے فانی جسکو دیکھو وہ مہیائے سفر رہتا ہے

دل کو ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں ترے کوچے میں نہیں معلوم وہ بیتاب کدھر رہتا ہے

آپکی وسعت رحمت میں تامل کیا ہے اپنے اعمال سے لیکن ہمیں ڈر رہتا ہے

آبروِ اہل قناعت کی نہ مٹتے دیکھی کانِ ہمت میں یہ نایاب گہر رہتا ہے

تیغ ابرو کی محبت میں نہ تھی شکل پناہ عشق خالِ رُخ جلاد سپر رہتا ہے

کیا ہوا ہاتھ جو آنکھوں سے لگائے ہم نے ایک کا دست نگر ایک بشر رہتا ہے

تم سے کیونکر نہ رہے عشق کو چشم رحمت بخشنا بنا تمھیں منظور نظر رہتا ہے

(۲۴)

اڑے سینہ سے میرے جب شرارے آتش غم کے جہنم سے بڑھے تعظیم کو شعلے جہنم کے

بس اے شور قیامت سر اٹھائے ہیں یہاں نالے سر کیلئے آفتاب حشر میرے داغ دل چمکے

مدد کر جلد اے شوق شہادت ذبح ہو جاؤں ادھر نام جفا چمکے ادھر نام وفا چمکے

یہ گھر جانے کی جلدی تھی انھیں تکتے رہے شب بھر کہیں مرغ سحر بولے کہیں نجم سحر چمکے

گل رخ کے تصور میں جو ہم کرتے ہیں سرد آہیں ریاض دہر میں ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تھم تھم کے

تزلزل ہو بہت انکو خبر لیتا نہیں کوئی الٰہی روکنے والے کہاں ہیں عرش اعظم کے

ہوئے ہیں ذبح نکلے ہیں بہشت کوئے جاناں سے دیئے خالق نے رتبے ہم کو اسمعیلؑ و آدمؑ کے

سلامت رنج و یاس و بیکسی و حسرت و حرماں تمھارے کشتۂ غفلت نہیں محتاج ماتم کے

کہاں ہے بزم کی زینت کہاں ہے دور ساقی کا یہ کیفیت ذرا پوچھے تو کوئی جام سے جم کے

(۲۵)

خیال حلقۂ گیسو دل ناکام میں آئے مبارک اے اسیری ہم بلا کے دام میں آئے

عبث ڈرتے ہوئے اہلِ جہاں آفت کے آنے سے — کہو وحشت سرائے عاشقِ بدنام میں آئے
پڑے ہیں مئے تو عارض تک گرالے ساقیِ مہوش — کہاں سے آفتابِ صبح تیرے جام میں آئے
جنابِ عشق مجنوں بھی ہو ممنوں آپ کا ہم بھی — اُدھر آغاز میں آئے اِدھر انجام میں آئے
بیاں ہوتا ہو جب بادکی دنیا پرستی کا — دلِ کفر آشنا کہتا ہو کون اسلام میں آئے
کلیجا رات دن پکتا ہو راحت کس کو کہتے ہیں — یہاں اے اہلِ دنیا کس خیالِ خام میں آئے
کبھی آفت نہ آئے عشق میں اے عشق کیا ممکن — گذر جائے اگر آغاز تو انجام میں آئے

(۲۶)

اشکِ دل سخت دل رواں آنکھوں سے شیون میں رہے — سیکڑوں موتی ہزاروں پھول دامن میں رہے
دمبدم ہو غیر کا ہاتھ ابروئے سفاک پر — ڈر لیے اس تلوار سے جو دستِ دشمن میں رہے
زلف اُدھر برہم اِدھر سارا گریباں تار تار — وہ بھی الجھن میں ہے کچھ ہم بھی الجھن میں رہے
عندلیبو! عشقِ زلف و رخ میں ہم نے کی قضا — رات دن ماتم ہمارا صحنِ گلشن میں رہے
اولٹی ہو تقدیر لے حد آدوہ دیوانہ ہوں — پاؤں میں طوقِ گراں زنجیر گردن میں رہے

(۲۷)

دوست کے دل کی طرح ہے دلِ دشمن میں رہے — ایک صورت سے ہم آئینہ و آہن میں رہے
میرے دل میں ہو جگہ اور کسی کی کیوں کر — کون تجھ سا ہے بھلا جو ترے مسکن میں رہے
اے جنوں سر بگریباں نہ پھریں ہم کیونکر — اپنو پتھر نہ کسی طفل کے دامن میں رہے
خوف کیا ملکِ عدم میں بھی ہیں کے گل ہیں — ایک گلشن سے چلے دوسرے گلشن میں رہے
آپ جو قید کی مدت نہ معین فرمائیں — ایکدم بھی نہ کبھی روحِ رواں تن میں رہے



مولانا مولوی سبط حسن صاحب قبلہ فاطر

۶۹۶

حیاتِ فاطر

لکھنؤ کے مشہور و ہر دلعزیز خطیبِ اعظم شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ کی ذات گرامی بھی ان ذواتِ مقدسہ کی فہرست میں ایک ممتاز ترین جگہ کی مالک ہے جن کے وجود ذیجود پر تمام قوم، تمام ملک اور بالخصوص شہر لکھنؤ جس قدر بھی فخر کرے وہ کم ہے اور جن کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اس ناقابل تلافی نقصان پر جس قدر بھی آہ و زاری کرے ان کے حق سے ادا نہ ہو۔

مولانائے موصوف قصبۂ نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں سنہ ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی زندگی کے صرف چند سال آبائی وطن میں گذرے ہوں گے کہ تحصیلِ علم کی غرض سے لکھنؤ آ گئے اور ایسے آئے کہ پھر مر کے بھی نہ گئے۔

مولانائے موصوف نے مدرسۂ عالیہ ناظمیہ کا آخری درجہ ممتاز الافاضل نہایت ممتاز نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ مدرسۂ ناظمیہ کا یہ وہ دور تھا جبکہ نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ اس کے صدر مدرس تھے اور مولوی فرمان علی صاحب قبلہ، مولوی محمد ہارون صاحب قبلہ، مولوی محمد داؤد صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہم مدرسۂ مذکور میں تحصیلِ علم کر رہے تھے اور مولانائے موصوف کے ہم کتب ہم درس تھے۔ مولانائے موصوف نے اپنے بڑھتے ہوئے شوقِ علم کے برمحل تحریکات سے مدرسۂ سلطان المدارس کے آخری درجہ صدر الافاضل کی سند بھی حاصل کر لی اور کچھ قبل یا بعد الٰہ آباد اور پنجاب کی یونیورسٹیوں سے علومِ مشرقیہ کے امتحانات دیکر ان اسناد کا بھی اضافہ کر لیا۔

مولانائے موصوف کے تبحرِ علمی کے متعلق ہم اپنے ان مختصر صفحات میں کہاں ذکر کر سکتے

ہیں ۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مرحوم کی ذات والا صفات ہمارے تذکرے سے کہیں بالا تر ہے ۔
مرحوم کی قدردان کے زمانے کے علماء و فضلا رنے کی اور اہل علم اُن کی یاد کو آج باعث برکت سمجھتے
ہیں ۔ مرحوم ہر یگانہ و بیگانہ جماعت میں ہر دلعزیز تھے ۔ جو گروہ دل میں اُن سے خلوص نہ بھی رکھتا
ہو لیکن اُن کے مواعظ میں شرکت کرنے کے بعد دوبارہ شرکت آرزو لیکر اُٹھتا تھا ۔ اہلسنت حضرات
اُن کے مواعظ کی محفلوں میں بکثرت شرکت کرتے تھے ۔ بعض ہنود خوش مذاق حضرات بھی ان کے
موعظوں میں بلا ناغہ شرکت کر کے لطف حاصل کرتے تھے ، ابھی وہ لوگ زندہ ہیں جنھوں نے لکھنؤ کے
مشہور ڈاکٹر گوکل کو شیخ علی عباس صاحب مرحوم کی کوٹھی میں پورے عشرہ محرم بھر مرحوم کی مجلسوں میں شرکت
کرتے دیکھا تھا اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاوہ بھی متعدد حضرات تھے جن کو مرحوم کی خوانندگی
سے خاص طور پر خلوص تھا لیکن یہ سب تذکرے بخیال طول مدعا ترک کئے جاتے ہیں ۔
متواتر راویوں سے سُنا ہے کہ مولانائے موصوف نے اپنے پہلے سفر کربلائے معلّٰی میں تحت قبہ
دعا کی تھی کہ خدائے تعالیٰ بواسطہ شہید کربلا انکی زبان میں اثر کرامت فرمائے ۔ یہ دعا تو ہم نے اپنے
کانوں سے نہیں سُنی تھی لیکن اوسکی قبولیت کے اثرات اپنی آنکھوں سے ضرور دیکھے ۔ مولانائے موصوف نے
جس خدمت کو اپنا شغل حیات ذریعۂ معاش بنایا وہ ذکر فضائل اہلبیتؑ بیان مصائب سید الشہداءؑ
تھا اور اس مخصوص کام میں اُن کی زبان کے غیر معمولی اثر نے ہر خاص و عام کے دل پر اپنا سکہ جما کر
یہ ثابت کر دیا کہ یہ بات صرف اُسی کو نصیب ہو سکتی ہے جس کے لئے مشیت ایزدی کی تائید بھی شامل
حال ہو چونکہ اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ ذاکری کا منبر مولانائے موصوف کی زندگی میں
بھی ویسے ہی کسی دوسرے خوش بیان مقرر کی شہادت نہیں دے سکتا تھا اور ان کے انتقال
کے بعد آج تک بھی اُس کے دوش پر کسی ایسے شیریں بیان کے قدم نہیں پہونچے جس کو شیریں کلامی
خوش بیانی یا مرجعیت عوام میں وہ مرتبہ حاصل ہو جو مولانائے موصوف کو تھا اور اس بنا پر اگر قوم کے
پُرخلوص افراد نے اُن کو خطیب اعظم کے لقب سے خطاب کرنا شروع کر دیا تھا تو بیشک وہ اس کے بجا طور

پر اہل بھی تھے۔ بہر حال مولانائے موصوف اپنے عہد کے ایسے شیریں زبان و خوش بیاں واعظ، ذاکر اور مقرر تھے کہ ابھی ایک کافی عرصے تک دن کی یاد اور اُن کے نقش کمال دل سے محو نہیں ہو سکتے۔ جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ مولانائے موصوف علمی کمالات میں خداداد جامعیت کے حامل تھے لیکن جس شعبۂ علم پر طبیعت زیادہ مائل تھی وہ ادب تھا۔ نہج البلاغہ تین مرتبہ سرکار ناصر الملت علی اللہ مقامہ سے پڑھی اور خود فرماتے تھے کہ ہر مرتبہ جدید تفصیل معانی و مزید تشریح مطالب سے کتاب نئی معلوم ہوتی تھی اور پڑھنے والا مبتدی نظر آتا تھا۔ غرض مرحوم عربی زبان کے صرف میں اہل زبان معلوم ہوتے تھے اور وہی قدرت فارسی زبان پر بھی تھی، مختصر یہ کہ زبان میں خدا نے ایسا اثر دے دیا تھا کہ کسی زبان کی قید نہ تھی، نظم و نثر کی پابندی نہ تھی، جو کچھ کہہ دیا وہ اثر سے خالی نہ ہوا۔ ادب سے دلی ذوق ہونے کی وجہ سے مرحوم کا شغل تفریح شاعری رہا لیکن جہاں تک پتہ چلتا ہے مرحوم نے جو کچھ نظم فرمایا وہ دوسروں کی خاطر سے چنانچہ انھیں کے حوالہ بھی کر دیا، اسی وجہ سے آج اُن کا بہت کم کلام دستیاب ہوتا ہے جس پر نظر کر کے دل خوش تو بہت ہوتا ہے لیکن سیری ہرگز نہیں ہوتی۔

اردو میں بھی مولانائے موصوف نے بہت کچھ کہا لیکن افسوس ہے کہ وہ سب کہا سنا اللہ جانے کہاں پہونچ چکا۔ مولانا مرحوم کا غزلیات کی قسم کا کلام بہت کافی ہوتا اگر وہ سب احباب کی خاطرداری میں نہ صرف ہو گیا ہوتا۔ مرحوم کے صاحبزادے جناب سید محمد حسن صاحب سالک کے ہم بہت شکر گزار ہیں جنھوں نے مرحوم کا یہ کلام برائے اشاعت ہم کو مرحمت فرمایا اور امید ہے کہ یہ مختصر کلام بھی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا کیونکہ اب کوئی امید نہیں کہ مولانائے مرحوم کی ایک غزل بھی کہیں ایسی دستیاب ہو سکے جس کے متعلق یقین سے کہا جا سکے کہ نظم کے وقت سے اب تک وہ اپنے مصنف ہی کے اختیار یا کتابخانہ میں ہی اور کوئی غیر اس کا دعویدار نہیں ہے۔ شعر و سخن سے مولانائے موصوف کی بے نیازی کا اندازہ اس امر سے لگ سکتا ہے کہ مرحوم کے کلام میں کہیں مقطع نظر نہیں آتا۔ اور اگر جناب سالک ہم کو مطلع نہ کرتے تو ہم کو آج بھی علم نہ ہوتا کہ مرحوم کا تخلص فاطر تھا۔

مولانا موصوف نے ۲۸ محرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۳۵ء بروز پنجشنبہ انتقال فرمایا اور امام باڑہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔

۷۸۶

کلام حضرت شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب قبلہ

۱

خنجر کا ذکر کیا وہ گلے سے بعید تھا — بس ہاتھ ہی اٹھا تھا کہ بسمل شہید تھا
آخر وہی ہوا کہ وہ ناشاد مرگیا — پہلے ہی اس مریض سے میں نا امید تھا
واں ختم ہوچکے تھے فنون ستمگری — یاں لب پہ پھر نعرۂ ھل من مزید تھا
یہ کیا ہوا کہ شام کے ہوتے ہی بجھ گیا — دل میں ابھی تو جلوۂ صبح امید تھا

۲

تھا نقش ان کا جو پہلو میں صورت دل تھا — جسے سمجھتا تھا میں دل وہی تو قاتل تھا
میں کیا بتاؤں کہاں داغ ہے کہاں دل ہے — جسے سمجھتے ہو تم داغ بس یہیں دل تھا
اجاڑ ڈالا نشیمن برا کیا صیاد — یہی تو ایک مری عمر بھر کا حاصل تھا

۳

تضمین بر غزل غالب

ہنگامہ دار حسرت محفل نہیں رہا — شکوہ طراز ناوک قاتل نہیں رہا
اب میں سکون محض ہوں بسمل نہیں رہا — عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

چھپتا ہے ان گھٹاؤں میں کب آفتاب حسن — خود ہے فریب خوردہ فریب حجاب حسن
کچھ اضطراب عشق ہے کچھ اضطراب حسن — وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

جو کائناتِ غم تھی وہ سب تیری یادگار   کچھ کشمکشِ فراق کی کچھ یاسِ انتظار
کچھ ماتمِ دل اور کبھی ماتمِ قرار   گریہ رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

۴

رہینِ اضطراب و کشمکش شب ہائے فرقت ہوں   میں وقفِ انتظارِ جلوۂ صبحِ قیامت ہوں
مرے پہلو سے ارمان گاہِ دل مدت ہوئی گم ہے   میں صیدِ نصیبی آج کل پابندِ حسرت ہوں
اٹھانا فرض سمجھے غیر کا، تو کیوں اٹھاتے ہو   اس احسان کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ممنونِ منت ہوں
نہ بگڑو اک ذرا سی بات پر تم آؤ جانے دو   تمھاری ضد کی میں بے وفا بنی ہوں مروت ہوں
تمھیں تو دو محبت کچھ نہیں گر جھوٹ کہتا ہوں   تمھاری طرح میں بھی دشمنِ اربابِ الفت ہوں

۵

خاک اڑنے لگی آخر اپنے دلِ مضطر میں   گرتی ہوئی بجلی تھی رکتے ہوئے خنجر میں
دم لینے نہ دے مدت میں چھوٹا ہوں اسیری سے   صیاد ابھی طاقت اڑنے کی نہیں پر میں
مجھ کو شبِ وصل نے دل فرقت کا بھی کھٹکا تھا   پھولوں کے بستر کا کانٹا بھی تھا بستر میں

۶

کمی ہونے لگی آخر کو اشکوں کی روانی میں   کسی کے جلوۂ رخ نے لگا دی آگ پانی میں
بری ہوتی ہے اے ہوش مگر امیدِ جلوے کی   نہیں تو سہل تھی موت اک صدائے لن ترانی میں
جفا و ظلم کے عنصر کی یہ مہریں نہ جائیں گی   یہی تا لے داغِ بدنامی قبائے آسمانی میں

۷

بقا پر ابتدا ہی سے بنائے دو عالم رکھ دی   جہاں کچھ بھی جگہ پائی اساسِ غم وہیں رکھ دی
سوائے زورِ وحشت ہاتھ میں طاقت کہاں اتنی   اڑائی خاک جب ہم نے تو گردوں پر زمیں رکھ دی

رُلانا ابر کا منظور تھا کشتِ زمانہ پر — جبھی تیری تڑپ بجلی میں لے قلبِ حزیں رکھ دی
کوئی بھالا نہ ملتا تھا جو برسے زخم دیتا ہو — جراحت ہو گئیں آنکھیں تو ہم نے آستیں رکھ دی
لگا کے ہاتھ ہی دل کا سفینہ ڈگمگا اُٹھا — سنبھلنے کے لیے فطرت نے اک غم کی زمیں رکھ دی
دنور جوشِ گریہ تھم، گزرنے والے کھول آنکھیں — کسی نے آکے چشمِ نم پہ تیرے آستیں رکھ دی
امانت دار ہیں ان مرنے والوں کا ٹھکانا کیا — ذرا سی خاک ہے جس جا جگہ پائی وہیں رکھ دی
ترے دھوکے میں بندہ ہو گیا سارے زمانے کا — نہیں معلوم کن کن آستانوں پر جبیں رکھ دی

۸

جُز ذاتِ حق جہاں میں سمجھے گا نہ کوئی — ہاں میری باوفائی اور تیری بدسلوکی
آ آ گئے پسینے چہروں پہ قاتلوں کے — محشر میں قدر دیکھی تم نے مرے لہو کی
اب کچھ نہیں ہے مجھ میں بعدِ سوال باقی — ٹپکی ہے تیرے آگے اک بوند آبرو کی

۹

ہمیں تو اہلِ جہاں سے گزند ہوتی ہے — وہ کون ہیں جنھیں دُنیا پسند ہوتی ہے
ہے کربِ نزع الگ اُنکا انتظار الگ — نہ آنکھ کھلتی ہے میری نہ بند ہوتی ہے
ہوا یہ زلف اُڑی ہے خدا فلک کو بچائے — جو پہلے دام تھی اب وہ کمند ہوتی ہے
ہُوا ہے حکم کہ قیدی نہ آہِ سرد بھریں — ہوا بھی آج اسیروں پہ بند ہوتی ہے

۱۰

یہ شوقِ ناز کب تک دل میں کیا ہے — اب آخر ہے، ترے بسمل میں کیا ہے
اسیرِ لجۂ غم! غرق ہو جا — لبِ خشکیدہ ساحل میں کیا ہے
خموشی کیوں ہے عرضِ مدعا پر — کہو تو کچھ تمھارے دل میں کیا ہے
دلِ مجنوں ہے یا تمثالِ لیلےٰ — بتا اے ساربان محمل میں کیا ہے

متفرق اشعار

شبِ ہجر کیا بنے گا کوئی دلنواز میرا ہے غنی تسلیوں سے غمِ بے نیاز میرا
مری عمرِ مختصر تو تھی تقابلِ تغافل کبھی ختم ہو ہی جاتا گلۂ دراز میرا

مدد دشمن نے کی جب دوستوں کو بے خبر جانا سکھایا درد نے نالوں کو گردوں سے گزر جانا

حسرت نے نامِ ضبط کو آخر ڈبو دیا بیمار دیکھ دیکھ کے اک اک کو رو دیا

ہو طپش دل میں سوا اور اشک افشانی نہ ہو اس سے پوچھو جس کا گھر جلتا ہو اور پانی نہ ہو

تم یہ کہو دلِ اسیر قید رہے تمام عمر میں یہ کہوں کہ عمرِ زلف شامِ جفا دراز ہو

تہِ مرقد بھی ساتھ آئی سیہ تابی شبِ غم کی مری آنکھوں میں اب تک ہے سیاہی شامِ ماتم کی
فلک کے رہنے والے بھی جفائے ہجر کھینچے ہیں میسر وصل گر ہو جائے یہ قسمت ہے شبنم کی

لیا زورِ چشم آنسوؤں نے نکل کے کوئیں دونوں اندیشے ہوئے ہیں اجل کے
جفا نے ابھارا نزاکت نے روکا کیے وار بھاری پڑے زخم ہلکے

کشتیٔ عمرِ رواں شبِ دیجور میں ہے اتنا پانی مرے رستے ہوئے ناسور میں ہے

اب کیا چھٹیں گے وہ جو گرفتار ہو گئے زنداں کے در نصیب سے دیوار ہو گئے



نواب محمد باقر علیخان صاحب
مشاق لکھنوی

۶۰۶

حیات مشتاق

نواب محمد باقر علیخاں عرف نواب بنے صاحب متخلص بہ مشتاق لکھنؤ کے با اقتدار رؤسا میں تھے، اودھ کے نوابین کے خاندان سے تھے اور اتنا وثیقہ ملتا تھا کہ نہایت خوشحالی اور فارغ البالی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے رؤسائے شہر کی طرح علم و ادب کے شائق و دلدادہ تھے۔ عیش پرست اور فضول خرچ نہ تھے۔ عربی، فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ ان کے زمانے میں اکثر نادار اور معززین درسیات انھیں سے پڑھتے تھے۔ اہل شہر پر ان کی استعداد مستند مانی جاتی تھی۔ مسائل علمیہ میں ان کے فیصلے کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ ان کو خود ذوق علم اس حد کا تھا کہ ایرانی سیاحوں کو مہمان رکھ کر ان سے اصطلاحات و محاورات اہل زبان حاصل کیا کرتے تھے۔ مذاق رؤسا کے خلاف ایک بات ان کے لئے مخصوص یہ بھی کہ ناچ گانے سے بالکل دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ پیرنے کا البتہ بہت شوق تھا اور اس فن میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ صاحب جائداد بھی تھے جائداد کے صحیح حدود اربعہ تو نہیں بتائے جا سکتے لیکن اتنا پتہ لگتا ہے کہ محلہ سرائے معالی خاں میں آج جس جگہ پر کالون انٹرمیڈیٹ کالج کی عمارت بنی ہوئی ہے وہیں اُن کے مملوکہ مکانات واقع تھے۔ نواب صاحب مرحوم خود ایک مکان میں جو امام باڑہ میاں الماس علیخاں کے متعلقہ مکانات میں سے تھا سکونت رکھتے تھے۔ صحبت میں اہل علم کا مجمع رہتا تھا اور شعر و شاعری کے پرچے میں وقت گزرتا تھا۔

شاگردوں کے نام کی طویل فہرست اس وقت بخوف طول مقصد نہیں پیش کی جا رہی ہے۔ ان میں سے صرف بعض حضرات کے نام حسب ذیل ہیں:۔

نواب سید سجاد علی خاں صاحب عرف منے نواب صاحب مرحوم، حکیم مرزا علی محمد عرف



نواب محمد باقر علیخان صاحب
مشاق لکھنوی

نے آغا صاحب فاضل مرحوم، الطاف حسین صاحب عالم مرحوم، مولوی ناظم حسین صاحب ناظم مرحوم مدرس سلطان المدارس، ان حضرات کے علاوہ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز مرحوم لکھنوی کی شاگردی کے متعلق بھی کم و بیش روایات موجود ہیں لیکن ہم اُن کا نام شامل نہیں کر سکتے اس لیئے کہ ان کو خود صرف درسیات پڑھنے کا اقرار تھا لیکن شعر و سخن میں نواب صاحب مرحوم کی شاگردی کا ذکر ان کی زبان سے نہیں سُنا گیا۔

نواب صاحب موصوف کے کلام میں فخریہ مضامین کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔ اپنے متعلق زیادہ تر آئمہ معصومین علیہم السلام اور اُن کے مشاہد مقدسہ سے اظہار خلوص و اشتیاق زیارت کے مضامین نظم فرماتے تھے اور فنی افتخار کے بجائے انکسار کی جھلک زیادہ پائی جاتی ہے۔ ایک شعر میں خود کہا ہے:

بُرے بھی شعر میرے ہیں غزل میں اور اچھے بھی　　خزف بھی ہوتے ہیں مشتاق موتی بھی سمندر میں

نواب صاحب موصوف نے آخری حصہ عمر میں والی ریاست رامپور کے دربار میں اُن کی قدردانی اور عزت افزائی کے پیش نظر ملازمت اختیار کر لی تھی۔ رفتہ رفتہ والی ریاست عالیہ کی نگہ کرم ایسی امتیازی صورت اختیار کر گئی کہ دیگر حاضرین دربار سے برداشت نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ حضرت مشتاق کسی مرض میں مبتلا ہوئے اور علاج میں نسخہ کھانا تجویز ہوا سُنا ہے کہ حاسدین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ملیح ڈاکٹر کو کسی معقول یا غیر معقول صورت سے اپنا ہمنیال بنا کر آنا خون نکلوا دیا کہ حضرت مشتاق رو بہ اصلاح ہونے کے بجائے رو بقبلہ کر دیئے گئے۔

۱۲ شوال ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء بروز شنبہ انتقال فرمایا اور رامپور ہی میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ مرحوم نے وقت انتقال دو لڑکیاں چھوڑیں اور ایک صاحبزادے نواب مرتضیٰ خاں عرف بدلو صاحب مشتق تھے جن کا ابھی چند سال ہوئے انتقال ہوا ہے۔ جناب مشتق بھی اپنے والد مرحوم کی طرح ایک خوش فکر شاعر تھے وضع متواضع اور منکسر مزاج تھے اور اپنے احباب میں عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب از کلام حضرتِ مشتاقؔ لکھنوی مرحوم

غزلیات

۱

ایک نقطہ مٹ نہیں سکتا خطِ تقدیر کا
کام کیا تحریرِ پیشانی میں ناخن گیر کا

قید میں بھی سوزِ غم سے ہوں میں آتش زیرپا
موم سے بھی نرم ہے لوہا مری زنجیر کا

کھا کے ناوک میں جو دنیا سے گیا سوئے عدم
فرق ہست و نیست میں کیا تھا فقط اک تیر کا

اس قدر لاغر ہوا ہوں فرقتِ دلدار میں
پڑھ لیا جاتا ہے سب لکھا مری تقدیر کا

شمع نے کی گل فشانی آج شب کو اسقدر
بھر گیا پھولوں سے محفل میں دہن گلگیر کا

فکر کرنے میں خموشی سے ہوئی گویا زباں
زنگ آخر بنگیا جوہر مری شمشیر کا

کیوں نہ اشکِ سرخ ٹپکائے لباسِ سبز پر
دل سے ہے مشتاقؔ کو غم شبیر و شبر کا

۲

اپنے جامہ میں چرخ نے ٹانکا
لے کے کنٹھا ترے گریباں کا

اشک بیتاب ہے مرا ہر بار
نہ گریباں کا ہے نہ داماں کا

عشقِ گیسو میں بخت بد میرا
خواب ہے شخص دل پریشاں کا

خود فراموش ہوں ضعیفی میں
خم ہوں محرابِ طاقِ نسیاں کا

ہے جو مشہور ارضِ پاکِ نجف
اب تو مشتاقؔ قصد ہے واں کا

۳

سوزِ دل کا یہ اثر رونے میں پیدا ہو گیا / آنکھ میں جو اشک گرم آیا وہ چھالا ہو گیا
وقتِ آرائش الجھتا ہے بہت شانے سے یہ / بل کی لیتا ہے ترے گیسو کو سودا ہو گیا
زخم کھا کر ہوئے عاشق غرقِ بحرِ مرگ / خنجرِ قاتل کا پانی بڑھ کے دریا ہو گیا
ہجر میں کی موت کی خواہش گئی لیکن نہ جاں / دم نکلنے میں مرے دل کی تمنا ہو گیا
حدتِ سوزِ دروں نے کور مجھ کو کر دیا / منہ سے جب نکلا دھواں آنکھوں کا پردا ہو گیا
ہو گیا جاری عمل مشتاقؔ کا اس ملک میں / اب زمینِ شعر پر اس کا اجارا ہو گیا

۴

سکوں ہو گا دلِ غمگیں کو، جب سلمہ سوا ہو گا / تلاطم بحر کا کشتی کو میری ناخدا ہو گا
نہیں ہو جو مجھ سے وہ ستمگر منہ پھرائے ہے / دلِ بیتاب یہ بھی کوئی اندازِ جفا ہو گا
مرے رونے کی کیفیت نہ پوچھو مجھ سے ہمچشمو / ابھی دامن نچوڑوں گا تو اک طوفاں بپا ہو گا
سمجھ کر جس کو شیشہ آج توڑا تو نے پتھر سے / ارے بے رحم وہ میرا دلِ درد آشنا ہو گا
جلاتا ہو نہیں اپنی گرم رفتاری سے مجنوں کو / بیاباں میں نہ مجھ سا کوئی آتش زیرِ پا ہو گا
درِ میخانہ گر ہے بند ہم کعبہ کو جاتے ہیں / ارے پیرِ مغاں توبہ کا دروازہ تو وا ہو گا
دہن میں اپنے اے مشتاقؔ گو قفلِ ابجد ہے / کھلے گا منہ ہمارا، گر کوئی حرف آشنا ہو گا

۵

کبھی ہوتا نہیں ہے ختم دنیا میں سفر میرا / اگر میں بیٹھتا ہوں تھک کے تو پھرتا ہے سر میرا
ہجومِ یاس ہے کیا مجھ سے روشن ہو کوئی محفل / بجھا جاتا ہے خود دل صورتِ شمعِ سحر میرا
پتہ کیا پوچھتے ہو شہر یا دیوانہ رخ سے / وطن ہے ہمدمو چاکِ گریباں عمر میرا
مرے اشکِ ندامت کھو گئے تر دامنی میری / بنے گا ابرِ رحمت حشر میں داماں تر میرا

مری آوارگی کا بھی نہ آیا کچھ خیال اُس کو — مٹایا گھر، بنا لیکن نہ اُس کے دل میں گھر میرا
متاع دل رہا لقمہ میں لوٹی اُسکی زلفوں نے — ٹھگوں نے لے لیا رستے میں اسباب سفر میرا
کمال نظم اے شائق حاصل ہو ضعیفی میں — ثمر پیدا کرے فصل خزانی میں شجر میرا

—— ۶ ——

مریض کر کے قضا عشق کی جفا نے کیا — وہ ابتدا نے کیا تھا یہ انتہا نے کیا
جفائیں کرتے ہیں کیوں یہ بتان ظلم پسند — قصور کونسا اس بندۂ خدا نے کیا
ہماری آہ سے بیتاب ہو کے وہ بولے — یہ نالہ کس کے دل درد آشنا نے کیا
وہ بولے غیر سے عاشق کو دیکھکر سر راہ — تجھے سلام یہ کس صورت آشنا نے کیا
طلب کے قبل عطا مقتضائے بخشش ہے — سوال کر کے سخی کو خجل گدا نے کیا

—— ۷ ——

میں جو بزم یار میں محو صدائے چنگ تھا — جو نفس تھا دلکش ساز طرب آہنگ تھا
ظلم گردوں نے کیا اون بادشاہوں کو سبک — کوہ جن کے عدل کی میزان میں پاسنگ تھا
ضعف میں جب حیثیت بدنی توانی مو تکی — مرغ جاں سمجھا اڑا جو، وہ ہمارا رنگ تھا
کیا کہوں میں قافلے میں اپنی بیتابی کا حال — گاہ گرد کارواں تھا گہ صدائے زنگ تھا
آفریں صد آفریں شائق کیا کہنا تیرا — اس زمیں میں وہ کہا تو نے جو تیرا رنگ تھا

—— ۸ ——

آج گلشن میں وہ گل محو خرام ناز تھا — سبزۂ شاداب جس کا فرش پا انداز تھا
آشیان تن سے اڑ کر پھر نہ آیا تا بحشر — مرغ جاں کس کی کیا حریص لذت پرواز تھا
پند سب پیر مغاں کی دل میں تھی مجھ مست کے — تھا صدف کے کان میں دریا کا جو کچھ راز تھا
ہے ہوا داری جنوں کی مجھکو اب مد نظر — ورنہ پہلے کب رہا اپنا گریباں باز تھا

عیب بھی سحر زبانوں کا ہے دنیا میں ہنر — حضرت موسیٰ کی لکنت میں بھی اک اعجاز تھا
اُس نے جو ناوک لگایا وہ گیا دل میں مرے — ہر خدنگِ ناز تا پر تیر انداز تھا
صبر وقتِ ذکر بہلاتا تھا دل فرقت کی شب — ضبطِ رازِ عشق بزمِ خامشی کا ساز تھا
بعد میرے بزم میں کہتے ہیں اے مشتاق سب — یہ غزل خواں ہم صفیرِ بلبلِ شیراز تھا

۹

دل محوِ دیدِ نرگسِ مستانہ ہو گیا — ساقی نے پی شراب یہ دیوانہ ہو گیا
گو میں بچا ہوا اس سرے قید میں مگر — زنجیر کی صدا سے کہ دیوانہ ہو گیا
کی اتنی عمر طاعتِ پیرِ مغاں میں صرف — قد جھک کے حلقۂ درِ میخانہ ہو گیا
دن رات جو کھلا ہوا رہتا ہے ساقیا — توبہ کا باب کیا درِ میخانہ ہو گیا
مشتاق میں نے حبِ دنیا کو دی طلاق — عالم میں شورِ ہمتِ مردانہ ہو گیا

۱۰

دل لیا بھی نہ صیاد کا بس دیکھ لیا — گرم آہوں کو تری مرغِ قفس دیکھ لیا
بزم میں روتے ہوئے چند نفس دیکھ لیا — شمع اک رات میں ہم نے تجھے بس دیکھ لیا
آج تو چھوڑنے کو پہنچا دیا ہم نے گھر تک — غیر کے گھر انھیں جاتے ہوئے بس دیکھ لیا
آگ آہوں سے اسیروں کی لگ اٹھی صیاد — بن گیا شعلۂ جوّالہ قفس دیکھ لیا
نگہِ مست لے مے شیشوں میں بھر دی ساقی — آج رندوں نے مری آنکھ کا رس دیکھ لیا
رحم آیا مرے رونے پہ تو پھیرا منہ کو — اب تو ہنس سامنے میرے کہ نہ بس دیکھ لیا
دوستِ انجام میں نکلا نہ کوئی اے مشتاق — ہم کو جن پر تھا بھروسا انھیں بس دیکھ لیا

۱۱

سر کو ٹکرایا کیا میں پسِ در ساری رات — وائے غفلت نہ ہوئی اُس کو خبر ساری رات

قصہ گو عشق کے افسانے سنے جاؤں گا
زلف جاناں کی قسم سوؤں اگر ساری رات

وصل کی شب بھی نہ کھٹکے سے فراغت پائی
خود بخود دل کو رہا خوف سحر ساری رات

شب فرقت بھی نہ کچھ حوصلۂ دل کا نکلا
ہو گئی آنکھ جھپکنے میں بسر ساری رات

آفتاب اس شب مہتاب میں ہو طلعت سے
دَ دیئے آج ہوا ہے رشک قمر ساری رات

چند اشعار یہ تب نظم ہوئے دقت سے
کھایا مشتاق نے جب خون جگر ساری رات

—— ۱۲ ——

ضعف میں دقت سے دم نکلا تن بسمل سے آج
ہچکیوں کا تار ٹوٹا بھی تو کس مشکل سے آج

آزمالیں چل کے ہم چھوٹی بھلی تقدیر کو
فیصلہ ٹوٹے ہوئے دل کا کریں قاتل سے آج

رازداں اب ہو گئے دونوں تمہارے ظلم کے
کل جگر سے تیر نکلے گوشیاں پیکاں دل سے آج

ہے شب اول لحد میں وا ہیں راہِ بہشت
وصل کرنے آئی ہیں حوریں تیرے مائل سے آج

سیر سے گھر آنے کو ہے وہ مہر دش اے آسمان
مانگ دے جادہ کوئی خورشید کی منزل سے آج

ہچکیاں رہ رہ کے لیتا ہے یہ کس کا درد ہجر
دمبدم کیوں ہوک اٹھتی ہے ہمارے دل سے آج

—— ۱۲ ——

کون جو پائے وفا ہوگا مرے دل کی طرح
دربدر پھرتا ہے یہ کشکول سائل کی طرح

میری رقت کے سبب سے اُن کو بھی شاید ہے رنج
کچھ بھرے بیٹھے ہوئے ہیں وہ مرے دل کی طرح

عمر بھر اُس رشک لیلیٰ کا رہے گر انتظار
دار ہے آغوش چشم آغوش محمل کی طرح

غنچہ لب خنداں ہے گل بلبل ہے نالاں باغ میں
اک تمہارے دل کی صورت اک مرے دل کی طرح

ہوں وہ بد قسمت جو پہنچوں گا دیار یار تک
رشتۂ جاں قطع ہو جائے گا منزل کی طرح

زخم کھا کر بھی ہمیں مطلق نہیں رنج و ملال
دل ہمارا صاف ہے شمشیر قاتل کی طرح

﴿۱۴﴾

حسن آرائش دلبر نہ رہا میرے بعد — ہو گیا غم سے یہ بے رنگ حنا میرے بعد
مر گیا میں تو مٹا یار کا انداز خرام — نہ رہی شوخیٔ نقش کف پا میرے بعد
میں نہ جب ہوں گا تو کھل جائیں گے بل زلفوں کے — چھوٹ جائیں گے ایمان بتو میرے بعد
کاندھا سر نے دیا دشت کے وحشی رہنے — یوں جنازہ تو کسی کا نہ اٹھا میرے بعد
میں وہ بلبل ہوں کہ ہمراہ گئی جس کے بہار — نہ رہی وہ چمنستاں کی فضا میرے بعد
سرد مہری کا حسینوں سے طریقہ چھوٹا — نہ رہی گرمیٔ بازار جفا میرے بعد
فتنہ انگیز نہ ہوگی تری رفتار اے جاں — نہ ستم ڈھائے گا نقش کف پا میرے بعد
میں یہ کہتا نہیں مشتاق کہ اچھا سمجھے — نہ کہے کاش کوئی مجھ کو برا میرے بعد

﴿۱۵﴾

مر گیا عاشق رخسار پہ پروانہ ہو کر — روح نکلی تو نسیم گل خوشبو ہو کر
میری تذلیل نے تو قبر بڑھائی میری — ہیں مہک گلشن عالم میں ہا بو ہو کر
صید لاغر ہیں قفس میں نہ رہیں گے صیاد — موسم گل میں نکل جائیں گے ہم بو ہو کر
جان دی سوز محبت سے جو پروانے نے — بہہ گئی شمع بھی اک رات میں آنسو ہو کر
میں ہوں وہ وحشی لاغر کہ اگر مل بیٹھوں — کانٹے تولیں مجھے صحرا میں ترازو ہو کر
متقارب ہیں زمانے کے اقارب مشتاق — مجھ سے سب طعنہ زنی کرتے ہیں یکسو ہو کر

﴿۱۶﴾

ڈھلا ہے جوش حسن لیکن رنگ رخسار جاناں پر — ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوار گلستاں پر
قفس سے چھٹ کے بلبل کو جانا ضعف میں کیسا — نہ پہونچا رنگ رخ بھی اڑ کے دیوار گلستاں پر
اسیروں نے پھڑک کر جان دے دی شوق گلشن میں — قفس ٹوٹے ہوئے رکھے ہیں دیوار گلستاں پر

خزاں تھی پھر بھی رہتا بہار باغ کا عالم — گلوں کا رنگ پھر جاتا جو دیوا گلستاں پر
خزاں کے غم میں سر ٹکرائے ہیں ایسے عندلیب نے — ہزاروں خون کے دھبے ہیں دیوار گلستاں پر
بہت معلوم اے صیاد مدت تو اسیری کی — ہمارا نیند کا دن نکلد سے دیوار گلستاں پر

۱۷

دو خواری ترک کی چھوڑا بیاں دختِ رز — اب پیوں گر نہ تو کھاؤں انگور دختِ رز
پی کے مے نشے میں جو نکلا بہکتا دیکھنا — پر چھپے پھرتے ہیں گر دل میں ستان دختِ رز
مے تو ہے شیشہ میں پر رنگت ہے باہر سے نمود — ہے عیاں پردے سے حسن دلستان دختِ رز
ہے تقرب کا سبب مستوں کی انجمن و رفتگی — عالم ان کی بیخودی کا ہے جو ہاں دختِ رز
دیدیا ہے ہم کو اے مشتاق ساقی نے جواب — میکدے میں آج ہم ہیں میہمان دختِ رز

۱۸

میں دل جلا ہوں بزم جہاں میں مثال شمع — جل کر مجھے فروغ ہے شکل نہال شمع
کہتا ہے کون غم نہیں پروانوں کا اسے — ہے صاف اشک بہنے سے ظاہر ملال شمع
منہ دیکھتے ہی یار کا خاموش ہو گئی — اس گل کے آگے کچھ نہ چلی قیل و قال شمع
پروانے جل کے آتش غیرت سے مر گئے — محفل میں آج شب جو دیکھا جمال شمع
مجھ دل جلے کی زیست کا باعث ہے عشق زلف — وابستہ ایک رشتے میں ہے دل مثال شمع
مشتاق سوز غم نے کیا ہے جو آب آب — آنسو بنا ہوا ہمہ تن ہوں مثال شمع

۱۹

چاندنی مہتاب کی پھیلی ہے گھر گھر چراغ — وصل کی شب ہے بچھا دے نور کا بستر چراغ
آج کس ناشاد کا ارمان نکلا اے فلک — یہ خوشی کا ہے کہ جلتے ہیں کیوں گھر گھر چراغ
اس قدر میری شب دیجور ہیبت ناک ہے — کانپتا ہے ڈر سے جس کو دیکھ کر تھر تھر چراغ

جو ضیا بخش جہاں ہیں خود وہ ہیں ظلمت پسند — زیرپا اپنے بجھا سکتے ہے یہ چاہ چراغ
وعظ میں ایسی کیا ہے بادہ احمر کا ذکر — آج واعظ نے جلایا ہے سربر چراغ

۲۰

ہے عبث نالہ کناں بلبل دیوانہ عشق — گوش گل باغ میں سنتا نہیں افسانہ عشق
راحت الفت میں ہے تکلیف بھی کچھ افزوں — جس کو کہتے ہیں جہنم وہ ہے سہ خانہ عشق
دل ہوا اس بت کے جو کیونکر سرے رونیکا اثر — ہے زمیں سخت بہت کاشتہ دانہ عشق
دل جلاؤں تو ہو الفت کو سری نشو و نما — آگ برسے جو زمیں پر تو ہو گے دانہ عشق
گر ہے گوش گل تر باغ جہاں میں رنگیں — کان کھل جائیں سناؤں جو میں افسانہ عشق
سرد مہری سے تری لطف محبت نہ رہا — دن میں گذرے کہ تہ بستہ ہے ویرانہ عشق
نخل الفت کے لیے نشو و نما خشک ہے ہر — ہے یہی آب زمانے میں یہی دانہ عشق

۲۱

آہوں میں ضو فگن ہے دل داغدار عشق — آندھی میں جل رہا ہے چراغ مزار عشق
سرکش بہت ہے توسن بے اختیار عشق — روکے ہوئے لگام کو اے شہسوار عشق
پیری نے الفتوں کے نشاں سب مٹا دیے — اب ایک داغ دل ہے فقط یادگار عشق
جو یائے جلوہ رخ روشن ہے دشت میں — بجلی کو ڈھونڈھتا ہے ترا بیقرار عشق
کچھ میرے داغہائے جنوں کا لکھے حساب — ہاں کس طرف ہو منشی دفتر نگار عشق
مشتاق سوز غم کا نہیں یار کو یقیں — کیونکر دکھاؤں حال دل داغدار عشق

۲۲

دل ہو میرا اور خنجر سے جفا ایک ایک — طے کرے مرنا عمبر و رضا ایک ایک
سیکھ کر تجھ سے نزاکت ظلم شیدا کرتا ہے — روز آرہا الفتا ہے انداز جفا ایک ایک

جگر و دل جو ہیں سالم تو ہیں یوں سرخ لہو — ہے مگر زخمی شمشیر ادا ابتک ایک
کسی شوخ دل، دلولہ مشق ستم — لے ہی جائے گا ان آنکھوں سے حیا ایک نہ ایک
غیر ہو اس میں کہ ہو حاسد فن اے مشتاق — میری چوکھٹ پہ رہے ناصیہ سا ایک نہ ایک

—— ۲۳ ——

بد ہو کہ نیک عشق میں انجام کار دل — بے اختیار جب ہے تو کیا اختیار دل
بزم جہاں میں راز کھلا میرا مثل شمع — سر سے لگی جو آگ تو نکلا بخار دل
سینے میں سوز غم سے جو بھڑکی ہوئی ہے آگ — ہر آرزوئے سوختہ ہے اک شرار دل
جاؤں نہ جاؤں محفل دلبر میں کیا کروں — وہ ناگوار طبع ہے یہ ناگوار دل
جاری ہیں آج دیدۂ تر سے جو اشک سرخ — کیا منہ سے خون اگلتا ہے میرا فگار دل
ہے رہنمائے ساحل مقصود موج شوق — محتاج ناخدا نہیں کشتی سوار دل
مشتاق کس لیے غم عالم ہے تجھ سے دور — کافی ہے اس کی قید کو میرا حصار دل

—— ۲۴ ——

مدت سے ہے وارفتہ گیسوئے رسا دل — کس طرح نہ ہو قیدی زنجیر بلا دل
جو کہتا ہے وہ کم ہی کہتا ہے مرا دل — حیران ہوں کیوں بن گیا گنبد کی صدا دل
وارفتہ ہوا تھا تو کھلا حال محبت — سب سمجھے کہ آیا ہے جو قابو سے گیا دل
وہ مست ہوں خود گم کر جو ڈھونڈا کبھی میں نے — میخانے کے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں ملا دل
پائی شب فرقت میں تڑپنے سے نہ راحت — جبتک کہ لہو ہو کے نہ آنکھوں سے بہا دل
انگڑائی وہ لیکر مرے پہلو سے جو اٹھے — سینے سے صدا آنے لگی ہائے مرا دل
گلزار میں بسمل یہ کیا تیغ خزاں نے — بے ذبح کیے لوٹتے پھرتے ہیں عنادل
سب عہد کو معشوق نبھاتے نہیں مشتاق — دیتے ہیں ابھی سے جو کوئی اہل وفا دل

۲۵

دل کو ہدف بنائیں کہ اپنے جگر کو ہم — روکیں کہاں پہ یار کے تیرِ نظر کو ہم
ناسازیِ مزاجِ صنم سے اڑے ہیں ہوش — آئیں حواس پھر کے تو بھیجیں خبر کو ہم
الفت کے معرکہ میں نہ دیں گے عدو کا ساتھ — دل جس طرف کو ہوگا نہ ہوں گے ادھر کو ہم
ایسا بھی کوئی تابعِ فرماں نہ ہوئے گا — تلوار کھینچیں آپ جھکا دیں ہیں سر کو ہم
روضہ پہ شاہِ دیں کے اکیلے ہی جائیں گے — مشتاق کیوں تلاش کریں ہمسفر کو ہم

۲۶

مہر و مہ کہتے ہیں گر یار کو پائیں ہم تم — دونوں رخساروں کی لے آئیں بلائیں ہم تم
آئینہ خانہ اگر ایک بنائیں ہم تم — جس طرف دیکھیں پھرے جاں نظر آئیں ہم تم
آہ سوزاں کریں ہم چہرے سے تم الٹو نقاب — شمع کو بزم میں اس طرح جلائیں ہم تم
بلبلو! نالۂ پُر درد کریں آج بہم — سبزہ خوابیدہ ہے گلشن میں جگائیں ہم تم

۲۷

آثارِ عشق جلوۂ دنداں ابھی سے ہیں — آنسو گہر بنے نہیں غلطاں ابھی سے ہیں
کیا فصلِ گل میں پنجۂ وحشت کا خوف ہے — ٹوٹے ہوئے جو تارِ گریباں ابھی سے ہیں
ہے دل سے دور زمزمۂ تحریکِ وصلِ یار — کیوں نغمہ سازِ تارِ رگِ جاں ابھی سے ہیں
سربستہ ہے ہنوز مرا غنچۂ امید — بستر کے پھول وصل میں خنداں ابھی سے ہیں
باندھے ہے کمسنی میں کمر قتلِ عام پر — یہ قصد واہ واہ مری جاں ابھی سے ہیں
مشتاق ہم نے کلمۂ حق گو کہا نہیں — لیکن سزائے دار کے شایاں ابھی سے ہیں

۲۸

محوِ خرام کب وہ مرا نازنیں نہیں — کس روز آسماں پہ دماغِ زمیں نہیں

جگر سے ایسے نکلیں گے اک روز اشک گرم — سوزش ابھی ہے دل کی تو پھر آتشیں نہیں

جامے سے میرے ہے مری دیوانگی عیاں — میری قبا میں دامن و آستیں نہیں

پستی کو دیکھتے ہی نہیں صاحبان کبر — شاید اس آسمان کے نیچے زمیں نہیں

باندھا ہے چشم تر نے عبث آنسوؤں کا تار — وحشت میں چاک ابھی تو مری آستیں نہیں

دشمن دوستوں کو دور فلک کا نہیں خیال — کیا ان کو خوف بحر جو کشتی نشیں نہیں

—— ۲۹ ——

باغ عالم میں جو بے رنگ بیاں رکھتے ہیں — صورت برگ حنا اپنی وہ زباں رکھتے ہیں

سربلندی نہیں ہوتی کبھی ظالم کے لیے — طاقت اٹھنے کی کہاں داغ کلاں رکھتے ہیں

غنچۂ گل ہنس کے یہ بھی کہتے نہیں راز کا بھید — منہ کے کھلنے پہ بھی یہ بند زباں رکھتے ہیں

اہل دولت کو نہیں قول کا رہتا ہے خیال — یہ تو دانتوں سے زباں زیر زباں رکھتے ہیں

کان ملتی ہے نہیں بخت کے ہاتھوں سے مرگ — دیکھیے مجھ کو سب احباب کہاں رکھتے ہیں

کیوں لگاتا ہے ضعیفی میں فلک تیر ملال — ہم تو اتری ہوئی چلّے سے کماں رکھتے ہیں

ظرف کم ظرف میں جرأت نہیں ہوتی مشتاق — چاہ کب بحر صفت آب رواں رکھتے ہیں

—— ۳۰ ——

درد داغ سینہ سوزاں عیاں ہوتا نہیں — آتش گل سے کبھی پیدا دھواں ہوتا نہیں

ہے بری نیند کہاں سے ہر سبکدوش جہاں — طائر رنگ چمن کا آشیاں ہوتا نہیں

ہنستے ہیں گلہائے داغ دل تر و تازہ مدام — یہ چمن صورت کش فصل خزاں ہوتا نہیں

سرکشوں سے جھک کے ملنے کی ہے بے جا کیا امید — تیر خم کھا کر کبھی مثل کماں ہوتا نہیں

ساکن شہر خموشاں کیوں نہ ہو راحت نصیب
قبر میں کچھ خرخشہ جور آسماں ہوتا ہے

۳۱

آنکھوں کو ہے یہ حسرت دیدار رات دن — وا ہیں مثال روزن دیوار رات دن
ہے فصل گل جنوں میں ترقی ہے آج کل — سودے کا گرم رہتا ہے بازار رات دن
ہردم ہے دھیان آئینۂ روئے یار کا — حیرت سے ہم ہیں نقش بدیوار رات دن
موسیٰ بھی جس کے جلوے سے بیہوش ہوگئے — اب دل ہے اس کا طالب دیدار رات دن
مشتاق کس مزے سے کٹیں اپنے صبح و شام — پہلو میں ہو جو یار وفادار رات دن

۳۲

یہ حال لاغری پہونچا ہے اپنا ہجر دلبر میں — نہیں ہے فرق جسم زار میں اور تار بستر میں
ہماری سرد آہیں کرتی ہیں الٹا اثر پیدا — شرر گرتے ہیں منہ سے آگ لگ اٹھتی ہے بستر میں
عبث دیتے ہیں لوگ ان سے مثال قامت دلبر — ہے ایسی کون شاخ زعفراں سرو صنوبر میں
ہے جب تک سر بدن پر مجھ کو سودا ہے محبت کا — ہوائے عاشقی بھر دی ہے صانع نے مرے سر میں
برے بھی شعر ہیں غزل میں اور اچھے بھی — حذف بھی ہوتے ہیں مشتاق موتی بھی سمندر میں

۳۳

کنہ ذات پاک خالق کوئی پا سکتا نہیں — طائر ادراک بھی واں اڑ کے جا سکتا نہیں
عمر رفتہ کا پلٹ آنا بہت دشوار ہے — جو نفس سینے سے نکلا پھر وہ آ سکتا نہیں
رنگ رخ اس کا پسینے سے بھلا کیونکر مٹے — آب شبنم آتش گل کو بجھا سکتا نہیں
سوزش دل میں نہیں ہوتی ہے رونے سے کمی — یہ وہ آتش ہے جسے پانی بجھا سکتا نہیں
بزم سے اپنی نکالے گا وہ کیا مجھ زار کو — نقش پا کو خاک سے کوئی مٹا سکتا نہیں
دھیان آتا ہے مجھے آغاز میں انجام کا — منہدم ہونے کے ڈر سے گھر بنا سکتا نہیں
حاسد کج مج زباں مشتاق سے سر بر ہو کیا — زاغ رنگ بلبل خوشگو اڑا سکتا نہیں

۲۴

جو ہو بے رشک کب آنا غم اس دل میں بستے ہیں / کہیں بھی نقش پائے رفتگاں منزل میں رہتے ہیں
جدا ہوتے نہیں ہم قتل ہو کر بھی ستمگر سے / لہو کی چھینٹ بنکر دامن قاتل میں رہتے ہیں
زمین و آسماں بدلے ہیں جس کے بام و در کیسے / عدم والے الٰہی کونسی منزل میں رہتے ہیں
ہمیں قسمت کی گردش سے ہے گردش بزم رنداں میں / مثال جام مے ہم دورِ محفل میں رہتے ہیں
ہوا عشق بتاں حاصل ہمیں یاد الٰہی میں / خدا کا گھر سمجھ کر وہ ہمارے دل میں بستے ہیں
اثر دکھلا رہا ہے خون مقتولان بیکس کا / یہ ڈورے نشے کے کب دیدۂ قاتل میں رہتے ہیں

۲۵

نہیں قطرے پسینے کے ترے چاہِ زنخداں میں / گہر پیدا ہوئے ہیں چشمۂ مہر درخشاں میں
عجب کیا گر حسینوں کی صفت ہے میرے دیواں میں / کیا ہے حسن یوسف کا خدا نے ذکر قرآں میں
جھکا ہوں ضعف پیری سے جو میں وحشی بیاباں میں / قدم پڑتا ہے میرا کوچۂ چاک گریباں میں
نہ چھوڑا زندگی بھر عشق اس گیسوئے مشکیں کا / بسر کی عمر میں نے کوچۂ زلف پریشاں میں
نہیں بے وجہ گریاں دست مجھ وحشی کی حالت پر / رفو کرتے ہیں تار اشک سے چاک گریباں میں
فنا کے بعد اے مشتاق دل کی آرزو نکلے / بنے تربت جوار روضۂ شاہ خراساں میں

۲۶

آشنائے حالت ناآشنا کہنے کو ہیں / ہم وفائے یار سے طرز جفا کہنے کو ہیں
بھیجنا منظور ہے اک سرو قامت کو پیام / تھم کے چل گلشن میں کچھ ہم اے صبا کہنے کو ہیں
منھ سے بولا چاہتے ہیں صبح دم اس گل کے کُل / پھول باسی حال ساری رات کا کہنے کو ہیں
دوست کس کے ہیں حسین کہنے کی باتیں ہیں سب / دشمن جاں اصل میں ہیں دلربا کہنے کو ہیں
دو ٹلے امید وصل اے حسرت دل جلد چل / آج ہم اس بت سے اپنا مدعا کہنے کو ہیں

ہجر کی شب کو کاٹے پیر پھر جاتی ہے موت — ہم تو او ظالم اُسے تیری ادا کہتے کو ہیں
پا کے محفل میں مجھے خود رفتۂ ذوقِ کلام — ہنس کے وہ کہتے ہیں کیا آپ کیا کہتے کو ہیں

۴۷

بادہ خواری میں ہمیں عشقِ صنم بار نہیں — موج مے گردنِ مینا میں سے ہے زنار نہیں
ضعف میں حالتِ دل کیوں نہ سناؤں اُس کو — ناتوانی سے مری مُہرِ لبِ اظہار نہیں
ضعف رقت میں مجھی کو نہیں کچھ مانعِ سیر — اب مری نبض میں بھی طاقتِ رفتار نہیں
روزنِ در کی ترے آنکھ جھپکتی نہیں کیوں — کسی عاشق کا تو یہ دیدۂ بیدار نہیں
فیض پہونچا ہے جسے سن کے تجھے اے مشتاق — کب ترے خوانِ سخن کا وہ نمکخوار نہیں

۴۸

کثرتِ مے سے عجب رنگ ہے میخانوں میں — شکل ہے دیدۂ مخمور کی پیمانوں میں
جل کے وہ روتی ہے یہ مر کے بھی کرتے نہیں آہ — شمع سے بڑھ کے ہے خو ضبط کی پروانوں میں
میکدہ ان دنوں بے وجہ نہیں ہے برباد — کچھ نہ کچھ بھید اُلٹے ہوئے پیمانوں میں
خوش ہوں سب مست اگر فصلِ بہار آئی سال — بھر دے مے خوشۂ انگور کے سب دانوں میں
ناتواں مست تو ساقی کوئی دو لیے میں نہیں — آج کیوں چلنے کی طاقت نہیں پیمانوں میں
یادِ خالق کا گزر یوں دلِ مخلوق میں ہے — جیسے اک رشتہ ہے تسبیح کے سو دانوں میں
جس قدر خرمنِ امید میں حصہ ہے مرا — برق پہلے ہی سے پوشیدہ ہے ان دانوں میں
گرمیِ بزمِ قدح خوب نہیں اے مستو — آتشِ مے سے لگے آگ نہ میخانوں میں

۴۹

ترے ہاتھوں جہنم میں پڑا ہوں — کبابِ آتشِ رنگِ حنا ہوں
نگاہیں اس کی ہیں مجھ پر سرِ بزم — میں تیروں کا نشانہ بن گیا ہوں

اُٹھائے گا مجھے کس طرح وہ شوخ — میں کوچے میں برنگ نقشِ پا ہوں
مددلے سالکانِ راہِ مقصود — میں پیچھے قافلے کے رہ گیا ہوں
مجھے کیا بندِ غم سے خوف مشتاقؔ — غلامِ دلبرِ مشکل کشا ہوں

۷۰

عشق کی لذت سے جو دل آشنا ہوتا نہیں — نازبردارِ دل آرام دل سا ہوتا نہیں
بس دلاؤں عشقِ گیسوئے دوتا ہوتا نہیں — اس طرح کوئی بھی مشتاقِ بلا ہوتا نہیں
گم کلیدِ عیش ہے کیا غمکدے میں دہر کے — قفل کیوں میرے دلِ بستہ کا وا ہوتا نہیں
دل مرا لے جا اڑا کر کوئے زلفِ یار میں — کام اتنا تجھ سے اے بادِ صبا ہوتا نہیں
جب جو ہے مشتاقؔ کیا حاسد نہیں ابجد شناس — آج کیوں اس کے دہن کا قفل وا ہوتا نہیں

۷۱

دورِ سرور حلقۂ احباب میں نہیں — اسبابِ عیش عالمِ اسباب میں نہیں
جنبش میں ہو مکان تو کوئی کیا ٹھہر سکے — ایک آرزو مرے دلِ بیتاب میں نہیں
جو دوست کا عدو ہے وہ اپنا بھی غیر ہے — دشمن کا ہے جو دوست وہ احباب میں نہیں
راحت ہو دورِ چرخ سے مجھ ناتواں کو کیا — آرام جس کو حلقۂ گرداب میں نہیں
کیا مست شاد ہوں درِ میخانہ دیکھ کر — مے سا قیا پیالۂ محراب میں نہیں
مشتاقؔ! دل سے کرتے ہیں کیوں مجھ سے دشمنی — گر مکر و کینہ طینتِ احباب میں نہیں

۷۲

گردش سے چشمِ یار کو چین ایک دم نہیں — آہو وہ کون ہے جسے سودائے رم نہیں
کچھ سوزِ معرفت کا مری لکھ رہا ہے حال — رشمِ طور کی ہے زبانِ قلم نہیں
مجھ سخت جاں کا جذبۂ دل ہو گیا عیاں — او ترک تیری تیغ کے سینے میں دم نہیں

مجبور کب علائق دنیا سے ہیں سخی | پابند آستیں کبھی دست کرم نہیں
دل کیوں زوالِ الفت رخ سے ہے پُرملال | فانوس کو تو شمع کے بجھنے کا غم نہیں
مشتاق شاعری میں ہے ایک اس کا ہت ذیست | معلوم جس کو معنی لا و نعم نہیں

۴۳

مقیم خاک تہ چرخ پیر ہم بھی ہیں | طلسم لوح جہاں میں اسیر ہم بھی ہیں
جھکا ہے تیر سا قد عالم ضعیفی میں | کماں کی طرح سے اب گوشہ گیر ہم بھی ہیں
یہ چشم تر سے اشارہ ہے آہ سوزاں کا | کہ تو ہے برق تو ابر مطیر ہم بھی ہیں
مقابلہ ہے گدائی میں اہل دولت کا | کہ بادشاہ وہ ہے تو فقیر ہم بھی ہیں
چمک پہ اپنی عبث آئینے کو دعوی ہے | صفائے قلب سے روشن ضمیر ہم بھی ہیں

۴۴

ہوں میں ہر اک کے ذہن عالی میں | صدر ہوں محفل خیالی میں
نذر میں بھی کروں دل پُر داغ | پھول بھیجے ہیں اس نے ڈالی میں
رند مفلس کو آج اے ساقی | رکھ نہ محروم بزم عالی میں ق
جام بلور میں نہ دے مئے ناب | دُرد دے ساغر سفالی میں
ابتدا انتہا مری نہیں کچھ | نہ مقدم میں ہوں نہ تالی میں
قدر سافل ہو خاصہ مرا کیا | میں ہوں مشتاق جنس عالی میں

۴۵

پس کے گھر دیدۂ جاناں میں بناتا ہی نہیں | میں وہ سرمہ ہوں جو آنکھوں میں سماتا ہی نہیں
دل کی حسرت نہ نکل جائے کہیں یہ ڈر ہے | تیر ظالم مرے سینے پہ لگاتا ہی نہیں
گرفتار محبت ہوں ہوں کیوں نہ خموش | نالہ کرنا مجھے ظالم ابھی آتا ہی نہیں

ایسے بیخود ہوئے اک جلوۂ دیدار سے تم — ہوش ملے حضرت موسیٰ تمھیں آتا ہی نہیں
اور کس حیلے سے کچھ دیر رہوں محفل میں — غش تو کمبخت تری بزم میں آتا ہی نہیں
وصل کی رات کٹی جاتی ہے میں ہوں غمگیں — دل بجھا جاتا ہے وہ شمع بجھاتا ہی نہیں
پہلے تو وصل کی شب دل نے بگاڑا اس کو — اب یہ نادان کوئی بات بناتا ہی نہیں

۴۶

گل ہے کہ خاک رنگ نہیں جس میں بو نہیں — دل ہے کہ سنگ جس میں کوئی آرزو نہیں
کہتا ہے کون ضبط کی عاشق میں خو نہیں — سینے میں جل رہا ہے جگر اور بو نہیں
کیا حال سوزِ عشق کہوں ہجرِ یار میں — اک آگ سی بھری ہے رگوں میں لہو نہیں
مستوں کو دہر میں نہیں پابندی لباس — محتاج آستین کا دستِ سبو نہیں
یہ ہے کشش کہ کھنچ گئی ہر چیز اسی کی سمت — قبلہ نما بھی اب تو کوئی قبلہ رو نہیں
کیوں چبھ رہا ہے نشترِ فصاد کی طرح — اے خار بوستاں رگِ گل میں لہو نہیں
سب رفتہ رفتہ پی گئی پیکان کی زبان — لے جذب تیر اب مرے دل میں لہو نہیں
مژگاں کی چلمن اٹھکے جو گرتی ہے کیا سبب — پھر کون ہے جو آنکھ کے پردے میں تو نہیں
مشتاق ہو جفا و وفا ترک کس طرح — عادت وہ یار میں نہیں یہ مجھ میں خو نہیں

۴۷

خزاں کا دور کبھی اس کی انجمن میں نہیں — نہال شمع بھی بے برگ اس چمن میں نہیں
غم بہار میں ہیں بلبلیں جو گریہ کناں — سوائے عالم آب اور کچھ چمن میں نہیں
جنون کہنہ مرا اب نہیں علاج پذیر — جگہ رفو کی بھی اس جامۂ کہن میں نہیں
سیاہ بخت میں گریاں وہ ہوں کہ بعد فنا — سفیدی کفِ سیلاب تک کفن میں نہیں
جہاں میں قید تعلق سے ہیں بری آزاد — اسیر آب رواں حلقۂ رسن میں نہیں

نئی طرح کی ہے تاثیر سوز الفت میں   کہ تن تو پھنک گیا ہے اور داغ پیرہن پر نہیں
میں ہاتھ اٹھاؤں محبت سے کس طرح مشتاق   کہ طاقت اتنی بھی مجھ ناتواں کے تن میں نہیں

۴۸

جب ذکر ایک ہجر کی شب کا محال ہو   کیونکر بیان قصۂ ماضی و حال ہو
شعروں میں لکھ رہا ہوں صفت چشم یار کی   کیونکر نہ مجھ کو وحشت عین الکمال ہو
پھر کر گھروں سے غیر کے آئے جو میرے گھر   چلنا بھی اس حسین کا چوسر کی چال ہو
ایسا میں گرم رو ہوں بیابان عشق میں   پہنوں اگر تو پاؤں کی زنجیر لال ہو
دشمن سے بات میں جو وہ کچھ بولنے لگا   سمجھا میں یہ کہ جو نہ ہو میرا خیال ہو

۴۹

حسرت نہ ہو ملال نہ ہو بیکسی نہ ہو   جس کا شریک میں نہ ہوں اس کا کوئی نہ ہو
جلتی نہیں جو ہو نہ مری شمع آرزو   بجھتی نہیں جو وہ مرے دل کی لگی نہ ہو
آنکھوں میں پڑ کے مجھ کو رلاتی ہے دمبدم   کوچے میں اسکے خاک کہیں غیر کی نہ ہو
سمجھے ہیں جس کو عرش نہ ہو اس کے گھر کا بام   کہتے ہیں جس کو خلد وہ اس کی گلی نہ ہو
دریا میں ان حبابوں کو جیسا غرور ہے   ایسی ہوا بھی سر میں کسی کے بھری نہ ہو
کچھ کہہ رہا ہے غیر سر بزم یار سے   میں دل میں ڈر رہا ہوں کہ میری بدی نہ ہو
تم مجھ کو قتل کر کے بلاؤ رقیب کو   محفل میں دخل غیر مرے جیتے جی نہ ہو
تم دل لگا کے سننے کا وعدہ کرو اگر   وہ داستاں سناؤں جو اب تک سنی نہ ہو
میں پیشوائی ملک الموت کو چلوں   بھیجا ہوا یہ اس کا کوئی آدمی نہ ہو
موسیٰ نقاب اٹھائی تھی چہرے سے اس نے آج   دیکھو تو کوہ طور پہ تجلی گری نہ ہو
کیوں آج ہل رہے ہیں یہ طبقے زمین کے   کروٹ ترے شہید نے تربت میں لی نہ ہو

مشتاق ہوں نفیر پہ نامی ہوں دہر میں — میں وہ صدا نہیں جو کسی نے سنی نہ ہو

۵۰

اے ضبط سوزشِ دلِ مضطر عیاں نہ ہو — روشن ہو آگ سینے میں لیکن دھواں نہ ہو
اس سے بھی خوفِ ظلم ہے مجھ کو مثالِ چرخ — یہ دود آہ بڑھ کے کہیں آسماں نہ ہو
لکھوں اگر میں سستیِ طالع کا اپنے حال — قرطاس پر یقیں ہے سیاہی رواں نہ ہو
کل جس کو باغباں نے جلایا تھا باغ میں — مجھ سوختہ نصیب کا وہ آشیاں نہ ہو
سیرِ ریاضِ دہر، فنا کا پیام ہے — کھولے اگر نہ آنکھ تو غنچہ خزاں نہ ہو
فکرِ معاش کرتی ہے سفلے کو پست و خوار — اترے ہما نہ خاک پہ گر استخواں نہ ہو
اے ضعف رازداریِ دردِ جگر ہے شرط — یوں نکلے آہ دل سے کہ واقف زباں نہ ہو
مشتاق شعرِ صاف میں گنجلک نہ ہو کہیں — روشن وہ شمع کیجیے جس میں دھواں نہ ہو

۵۱

ضو دشمن سے کب ہوتا ہے اربابِ تجلّی کو — بجھا سکتا نہیں بارانِ شبنم آتشِ گل کو
چٹکنا سن کے غنچے کا غش آ جاتا ہے بلبل کو — سمجھتی ہے یہ برقِ طور برقِ خندۂ گل کو
چمن میں نالہائے آتشیں سے آگ لگ جائے — فروغ ایسا ہوا کب شعلۂ آوازِ بلبل کو
گریباں چاک ہے گل کا مرے چاکِ گریباں سے — مرے حالِ پریشاں سے پریشانی ہے سنبل کو
کروں مشتاق کیا حمد اس چمن آرائے قدرت کی — عطا کی جس نے سوسن کو زباں بخشا دہن گل کو

۵۲

جب آ جاتی ہے یاد اپنی گذشتہ داستاں مجھ کو — غضب ہے تم پہ ہو جاتا ہے دشمن کا گماں مجھ کو
گلستانِ جہاں میں پھر میں اس گل کی صفت کرتا — جو دیتا باغبانِ دہر بلبل کی زباں مجھ کو
زبانِ اہلِ عالم پر ہے ذکر اپنی خموشی کا — عطا کی ہے یہ میری بے زبانی نے زباں مجھ کو

غمِ فرقت بیاں کرتا ہوں جب اُن سے تو کہتے ہیں
سنائی کیا مرے کی آج تُو نے داستاں مجھ کو

غمِ دوآلام سے ہوں موردِ آفات پیری میں
کیا ہے چرخ نے تیرِ حوادث کی کماں مجھ کو

وہ غمگیں ہوں کہ ہر ہر گام پر کرتا ہوں اک نالہ
نہ کیوں سمجھیں صدائے زنگِ اہلِ کارواں مجھ کو

مجھے دشنام سنواتا ہے وہ مشتاق غیروں سے
کیا ہے دوست نے میرے نصیبِ دشمناں مجھ کو

—— ۵۳ ——

تنگ کرتا ہے بہت عشق کا سودا مجھ کو
اے جنوں اب تو دکھا وسعتِ صحرا مجھ کو

بے زباں بن کے زباں خلق میں پیدا کی ہے
ہوں وہ خاموش کہ سب کہتے ہیں گویا مجھ کو

جوشِ گریہ سے ہے اک دم کا بھی جینا مشکل
لوگ کہتے ہیں حبابِ لبِ دریا مجھ کو

ہوں میں قانع مجھے کیا مسندِ شاہی سے غرض
اپنے بسترِ فقیری میں ہے تکیا مجھ کو

خاک اُڑائی ہے بیاباں میں یہ کس وحشی نے
دامنِ دشت نظر آتا ہے میلا مجھ کو

ولولے عالمِ پیری میں جوانی کے کہاں
اب میں مردہ ہوں نہ سمجھے کوئی زندہ مجھ کو

ذکرِ حق کرتا ہوں میں رنج و الم میں مشتاق
ستمِ غم ہے شبِ ہجر مُتصلا مجھ کو

—— ۵۴ ——

بزمِ دلدار میں لائی کششِ دل مجھ کو
اُس نے دکھلائی پرستان کی محفل مجھ کو

دل جلاتا ہے خیالِ رخِ روشن شبِ ہجر
داغ دیتا ہے چمک کر مہِ کامل مجھ کو

چشمِ یعقوبؑ کی ہم چشم ملی آنکھ مجھے
دلِ ایوبؑ کا ہمدرد ملا دل مجھ کو

سب کی آنکھوں میں کھٹکتا ہوں میں وہ لاغر ہوں
باغ میں خار سمجھتے ہیں عنادل مجھ کو

تیری الفت سے ہوئی مجھ کو تمیزِ بد و نیک
رخ و گیسو نے دکھایا حق و باطل مجھ کو

نہ ملا کھو کے محبت میں کبھی ایک کو ایک
دل کو مشتاق میں ڈھونڈھا کیا اور دل مجھ کو

۵۵

پس مردن یہ ہے جلاد سے الفت مرے دل کو
دہان زخم سے ہر دم دعا دیتا ہوں قاتل کو

صفائی اہل دنیا سے ہوئی ہے بعد رنجش کے
کدورت نے جلا دی ہے مرے آئینۂ دل کو

قیامت تک رہا بار گنہ اس خون ناحق کا
ہمارے قتل سے یہ پھل ملا شمشیر قاتل کو

نہیں ہوتا ہے کچھ روشن دلوں کو خوف دشمن کا
ہوائے تند سے کیا ڈر چراغ ماہ کامل کو

ترا مشتاق کب سے عاشق زلف مسلسل ہے
بس اب آزاد کر دے اپنے پابند سلاسل کو

۵۶

مجھ کو بھی مل جائے راحت گر لگے چکر نہ ہو
سر پہ ہے گردوں مجھے دوران سر کیونکر نہ ہو

تربت تک بھی دلا سوز دروں کا ہو اثر
چشم سے ٹپکیں بھی گر آنسو تو دامن تر نہ ہو

امتحان عشق میں پورا ہوں تو جان دل
سر تن اپنا کاٹ ڈالوں یہ مہم گر سر نہ ہو

سیکڑوں سے گھر بنے ہیں اپنے اک دل میں مگر
حیف کی جا ہے جو اک دل میں بھی اپنا گھر نہ ہو

قتل ہو جاؤں نہ میں اس جامہ زیبی سے تری
یہ گریباں تیرا میرے حلق کا خنجر نہ ہو

بخت وارونوں سے مجھے ہے بزم میں مشتاق ڈر
دور گردوں میرے حق میں گردش ساغر نہ ہو

۵۷

قدم رکتے ہیں تھک کر نہیں تھمتا ہے دم جھڑ کر
جہاں میں کس قدر پھرنے کی عادت ہے مرے سر کو

یہ ہے جی میں کہ میں عاشق ہوں اب روئے خورشید پر
نیام دل بنا دوں قاتل نگہ دوں تیرے خنجر کو

یہ آشوب اس قدر میرا فغاں ہے میرے نالوں سے
اماں مل جائے اک گوشے میں جب تک شور محشر کو

دم گلگشت روئے آتشیں اس کا جو یاد آیا
میں سمجھا شعلۂ آتش چمن میں ہر گل تر کو

فلک کے دور سے کب ہیں تر و خشک جہاں خالی
بھنور کو بحر میں گردش ہے صحرا میں بگولے کو

سمجھتا ہے جو مشتاق شہادت مجھ کو وہ ظالم
گلے پر رکھ کے رکھ کر اٹھا لیتا ہے خنجر کو

جو چاہا تفرقہ صیاد نے پرواز بلبل میں   کیا پر سے جدا بازو کو بازو سے جدا پر کو
گلی میں غیر کی دیکھا جو میں نے ان کو تو بولے   ادھر بھولے سے آ نکلے چلے تھے ہم تو گھر کو
رواں ہے اس طرح میری طبیعت بحرِ مضموں میں   اٹھا دیتا ہے جیسے ناخدا کشتی کے لنگر کو
نہ ہو سرسبز کیونکر کشتِ امید اپنے رونے سے   ہے عمدہ آب پاشی کا ہمیشہ دیدۂ تر کو
جہاں میں سخت دل کی دشمنی سے چرخ کی کیا ڈر   ضرر سیلِ حوادث سے نہیں زنجیر کے گھر کو

۵۸

دیکھ لو آنکھ پھرا کر جو ذرا تم مجھ کو   یاد آ جائے سمندر کا تلاطم مجھ کو
لے گئی کھینچ کے بیتابیِ دل تا درِ یار   ناخدا بن گیا دریا کا تلاطم مجھ کو
بزم تو کیا ہے زمانے ہی سے اٹھ جاؤں گا   اپنے پہلو سے اٹھا دو گے اگر تم مجھ کو
ہوش کہتا ہے نہیں تو مجھے کھو الفت میں   عقل کہتی ہے نہ اس طرح سے کر گم مجھ کو
مر کے الفت میں بجا لاؤں گا میں سجدۂ شکر   اپنی ہی خاک پہ کرنا ہے تیمم مجھ کو

۵۹

نہ اٹھنے دے ابھی پہلو سے دل تڑپانے والے کو   تو ہی اے درد بڑھ کر روک لے گھر جانے والے کو
دلِ بیتاب میرا پھیر کر وہ شوخ کہتا ہے   جگہ دو گے کہیں پہلو میں اس گھبرانے والے کو
پس مردن تو کچھ ارماں نکالے قلبِ مردہ کے   خدا رکھے ہماری قبر کے ٹھکرانے والے کو
ترے ابرو کا عاشق کیوں ڈرے خورشیدِ محشر سے   خطر کیا سایۂ شمشیر میں سو جانے والے کو
ہماری بزم میں کیا شیخ جی کا کام اے رندو   ذرا لینا عمامہ باندھ کر یاں آنے والے کو
گلا خنجر سے کاٹا تشنۂ جامِ محبت کا   دعا دیتا ہوں پانی حلق میں ٹپکانے والے کو
الٰہی حشر میں اس سوزِ غم سے تو سمجھ لینا   جہنم میں جلانا ہڈیاں سلگانے والے کو
وہ گیسو تا کمر بڑھنے کو ہے مشتاق کیا کیجیے   کوئی کب روک سکتا ہے عدم کو جانے والے کو

﴿ ۶۰ ﴾

باعث خلقت جہاں جان جہاں تمھیں تو ہو
موجب ربط جسم و جاں جان جہاں تمھیں تو ہو

حشر میں تم سے ہے اماں ہو تمھیں مالک جناں
باعث عیش جاوداں جان جہاں تمھیں تو ہو

تم سے نجات خلق ہے تم سے حیات خلق ہے
خلق خدا کے تن کی جاں جان جہاں تمھیں تو ہو

رونق اوج عرش شاں شمع فضائے لامکاں
جلوۂ بزم آسماں جان جہاں تمھیں تو ہو

فیض ہے ابر آسماں لطف سے جان نیم جاں
تم سے مرگ ناگہاں جان جہاں تمھیں تو ہو

آتش آفتاب پر بٹ گیا خاک ہوا میں یا ہوا
چاروں حدوں پر حکمراں جان جہاں تمھیں تو ہو

یہ سر و مہر و آسماں کس کے قدم کے ہیں نشاں
سارے جہاں پہ ضوفشاں جان جہاں تمھیں تو ہو

﴿ ۶۱ ﴾

بیقراروں کی روش اس کو پسند آئی ہے
دل بیتاب کو بجلی کی تڑپ بھائی ہے

سن کے نالے پس دیوار مرے وہ بولے
ہو نہ ہو یہ تو ہمارا کوئی شیدائی ہے

یاد آتا ہے مسرت سے ہوں میں شادی مرگ
پیشوائی کو لبوں تک مرے جان آئی ہے

آمد اس عیسیٔ دوراں کی ہے کہہ دے کوئی
ابھی ٹھہرے سر بالیں جو اجل آئی ہے

بوئے گل بن کے نکل جاؤں قفس سے کیونکر
ہمصفیرو! یہ سنا ہے کہ بہار آئی ہے

دل صد چاک سے شانے نے صفائی کر لی
ہاتھ رکھ کر ترے گیسو پہ قسم کھائی ہے

مائل خواب ہوا باغ میں یہ کہہ کے وہ گل
کہہ دو غنچوں سے نہ چٹکیں ہمیں نیند آئی ہے

نام جس کا ہے شب گور جہاں میں مشہور
اے عزیزو وہ ہماری شب تنہائی ہے

تھک کے رک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے
یہ جنوں میں ہوس بادیہ پیمائی ہے

جس نے دل لے لیے ہیں سیکڑوں جانبازوں کے
ارے توبہ کہیں وہ آنکھ بھی شرمائی ہے

جان لے لیتی ہے ساقی کی ادا وقت خمار
دل جھپٹے جاتی ہے پہلو سے وہ انگڑائی ہے

۴۸۶

عرضِ مُدّعا

سُنو تو! قصہ سب اک بات میں تمام بھی ہے
ہمارا کام بھی ہے اور تمھارا نام بھی ہے

دنیا عالم اسباب ہے۔ پرزوں دار مشین کے چلانے کے لیے تیل، پودے کی نشو ونما کے لیے پانی، بچے کو ہونہار بنانے کے لیے تربیت، اور پُرخلوص خادم کی ہمت افزائی کے لیے عملی قدردانی کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ زمانے کے حالات کتنا ہی مجبور کر دیں لیکن قدرت کے بنائے ہوئے اصول توڑے نہیں جاسکتے۔ گرانی کتنے ہی پاؤں پھیلائے لیکن تندرست کو غذا اور بیمار کو دوا کے بغیر چارہ نہیں ہوسکتا۔ بیش قیمت چیزیں اگر کم قیمت پر فروخت ہو رہی ہوں تو آج بھی اُن کے خریدار معدوم نہیں دوسروں کی بحث سے علیحدہ رہتے ہوئے اگر ہم صرف اپنے ہی حالات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری بعض خصوصیتیں اس طرح انحطاط کی طرف مائل ہو چکی ہیں کہ ان کا سنبھالنا روز بروز دشوار سے دشوار تر ہوتا جا رہا ہے اور کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں رہی ہے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اگر سب مل کر ہمدردانہ تعاون سے کام کریں تو پیدا شدہ جراثیم ہلاک ہو سکتے ہیں اور ایک مایوس العلاج بیمار کی صحت کی پھر توقع ہو سکتی ہے۔

ایک ادنیٰ سے اشارہ میں ہم کو یاد آجاتا ہے کہ کبھی ہمارے نقشِ قدم دوسروں کے لیے رہنمائی کا کام دیتے تھے، ہماری تہذیب نے دوسروں کو انسان بنا دیا، ہمارے تمدن نے غیروں کو دنیا میں مُونہ دکھلانے کے قابل کر دیا، ہمارے علم نے زمینوں کے لیے پوشیدہ خزانوں کی کنجیاں فراہم کر دیں ہماری زبان نے ہم نشینوں کو شیریں دہن بنا دیا لیکن افسوس زمانے کا انقلاب ہماری دولت اسی کی

محروم کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے خزانوں پر اپنی مہریں لگا دینے پر آمادہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا ہمارے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم اپنا گھر تباہ ہو جانے دیں، اپنی کمائی لُٹ جانے دیں اور نہ زبان ہلائیں نہ ہاتھ پیر چلائیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگی کا ثبوت اسی میں ہے کہ ہم اپنی تہذیب کو زندہ رکھیں، اپنے قدیم روایات کو مٹنے نہ دیں، اپنے علم کو تباہی سے بچائیں اور اپنی زبان کو ناجائز دستبرد سے محفوظ رکھیں۔

اس وقت جو سب سے بڑی دشواری ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ضرورتیں ہم کو ایک ہی وقت میں درپیش ہو گئی ہیں اور ان سب کی طرف توجہ کرنا بھی واجبی قرار پا رہا ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ دو چار آدمیوں کے کرنے کا کام بھی نہ تھا لہٰذا ایسی صورت میں بہترین اصول کار یہی تھا کہ جس کام کا اہل ہو وہ اُس بوجھ کو برداشت کرے چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مختلف شعبوں میں اہلیت و صلاحیت رکھنے والے حضرات اپنے امکانی خدمات کے لیے کمربستہ ہو گئے ہیں۔

ہم کو بھی اپنا فرض ادا کرنا تھا لیکن دینیات، اقتصادیات یا معاشرتی حالات کی اصلاح ہمارے حدود دست اندازی سے باہر تھی۔ ہمارے لیے صرف یہی ایک راستہ باقی رہ گیا تھا کہ ہم زبان کے بگڑتے ہوئے نقش و نگار میں رنگ بھرتے رہیں اور اس طرح اپنے حقِ خدمت سے ادا ہوتے رہیں۔ ہم نے ایک مختصر انجمن کی تشکیل کی، اپنے ہم خیال اور ہمدرد پیدا کیے، اور زبان کے خزانوں کو لوٹ اور بربادی سے بچانے کا بیڑا اٹھا لیا۔

اصنافِ سخن میں مرثیہ ممتاز ترین صنف تھا لیکن کس مپرسی کے عالم میں پڑا تھا۔ حضرت میر انیسؔ اور ان کے خاندان کا کلام نظروں پر چڑھا ہوا تھا، مرزا دبیرؔ کی چار جلدیں ایسی ہی مرتبہ سی مگر چھپی ہوئی موجود تھیں، میر عشقؔ کے مرثیوں کی دو جلدیں اگرچہ نایاب تھیں مگر ان کا وجود تو تھا لیکن ان چند حضرات کے علاوہ بیسیوں صاحبِ فن مرثیہ گویوں کا کلام مدفون خزانوں کی طرح تہِ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ ہم نے ان خزانوں کو زمین کی تہ سے برآمد کیا اور ایک عام

نمائش کے لیے کھلے ہوئے بازار میں سج دیا۔ البتہ اتنا ضرور کیا کہ آرام و اطمینان سے مطالعہ کرنے والوں کے لیے برائے نام ٹکٹ رکھ دیا لیکن ہم شکر گزار ہیں ان حضرات کے جنہوں نے ہمارا استغاثہ سنتے ہی لبیک کے جواب دیا اور ہم کو اس قابل بنائے رکھا کہ ہم اس نمائش کو تا وقتِ ضرورت جاری رکھیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس گرانی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے پرانے پرانے پبلشر ہمت ہارے جا رہے ہیں وہ بھی ہمارے استقلال پر دل میں چاہے کچھ بھی ہو مگر زبان سے تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس ناسازگار دور میں ہم جو خدمت زبان و ادب کی کر رہے ہیں وہ قدردانی سے محروم رہنے کے قابل ہے بھی نہیں۔

ایک سو ساٹھ صفحے کی کتاب مصنف کے بلاک کے ساتھ ڈیڑھ روپیہ یا دو روپے قیمت میں پیش کرنا اس زمانے میں ذرا ہمت کا کام ہے۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس ہموار زریں سلسلہ کو باقی رکھنے کی انتہائی کوشش کریں گے لیکن اس کے لیے ایک دلی گزارش ضرور ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے خدمات کو بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرنے کی تدبیریں کرتے رہیں اور ہمارے سرپرست ہم کو مالی مشکلات کی الجھنوں سے بچاتے رہیں تاکہ ہم سکونِ دلی اور خاطر جمعی کے ساتھ اپنے کام میں منہمک رہ سکیں۔ جن حضرات کے ذمہ سالانہ ممبری کی رقم واجب الادا ہے وہ از راہ نوازش جلد سے جلد ارسال فرما دیں۔ جن حضرات کے ذمہ کتابوں کی قیمت واجب الوصول ہے وہ اس کی طرف سے غفلت نہ فرمائیں اور جن حضرات سے حسبِ مقدرت سرپرستی کی توقع ہے وہ ہماری دستگیری میں تاخیر نہ فرمائیں اور اگر یہی توجہ ہمارے اربابِ خلوص کی طرف سے ہمارے حال پر ہوتی رہی تو ہم بھی انشاء اللہ نغز گو و خوش گفتار شعرا کے کلام کا ایسا باغ لگا دیں گے جس کی سیر دل والوں کے لیے بے انتہا فرحت بخش و روح افزا ہوگی اور آئندہ نسلیں ان قدردانوں کے شکریہ میں تر زباں رہیں گی جن کی سرپرستی کی بدولت علم و ادب کے نایاب خزینے عدم سے وجود میں آ کر اتنے دن باقی رہے کہ ان کے چشمۂ فیض سے وہ بھی سیراب ہو سکے۔

انجمن محافظ اُردو (لکھنؤ) کے ادبی خدمات

پہلی خدمت

دورِ شاعری۔ صدر انجمن حضرت مہذب لکھنوی کی اپنی نوعیت میں سب سے پہلی کتاب جس میں اُردو زبان کی خاص و عام غلطیاں مع تصحیح ناولانہ رنگ میں پیش کر کے اس کو انتہائی دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شعر و سخن کے محاسن و معائب بھی دلکش پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد شعر میں فنی اور تقریر و تحریر میں زبان کی غلطی کا ایک بڑی حد تک امکان نہیں رہتا۔

قیمت مجلد ؎، غیر مجلد للعہ

دوسری خدمت

دورِ تعشق۔ اس کتاب میں ناخدائے سخن جناب تعشق مرحوم کا مختصر دیوان، چند غیر مطبوعہ غزلیات و قصائد اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ مشتمل بر حال حضرت سید الشہداء علیہ السلام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اُردو کا ایک لغت، مرحوم کا بلاک اور انکی سوانح حیات بھی چھاپے گئے ہیں۔ جناب مہذب مد ظلہ کے تقریباً ۴۴ بند بھی ہیں۔ جن میں معائب شعر نظم ہیں۔ قابل دید کتاب ہے

قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

معراج سخن

سالک مسلک اوج و دبیر، مرثیہ گوئے بے نظیر جناب سید سرفراز حسین صاحب رضوی خبیر لکھنوی کا قابل دید مسدس مشتمل بر مضامین حمد و نعت و منقبت و مصائب حضرت سید الشہداء علیہ السلام (مع سلام و رباعیات)

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

انجمن محافظ اُردو کے ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی

پہلی کڑی

اذکارِ تعشق فرزدقِ ہند جناب تعشقؔ کے چھ غیر مطبوعہ مرثیوں کا مجموعہ جو ادب دوست حضرات کے مطالعہ سے ہرگز محروم رہنے کے قابل نہیں۔ قیمت صرف عہ

دوسری کڑی

گلزارِ رشید حضرت رشیدؔ مرحوم کے چھ منتخب مرثیے جو اس سے قبل کبھی نہیں چھپے تھے۔ مرحوم کے بلاک کے ساتھ، نہایت محنت سے صحت کر کے چھاپے گئے ہیں ہر مرثیہ بے نظیر ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے عمر

تیسری کڑی

وقارِ انیس حضرت انیسؔ رحمہ اللہ کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ چھ مرثیے مع سلام و رباعیات مصنف کے بلاک کے ساتھ شایع کیے گئے ہیں جو ہر حیثیت سے قابلِ دید ہیں۔

قیمت صرف (عہ)

چوتھی کڑی

شعارِ دبیر۔ حضرت دبیرؔ رح کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ سات مرثیوں کی جلد جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عمر)

پانچویں کڑی

معیارِ کامل مولوی علی میاں کاملؔ کے سات غیر مطبوعہ مرثیوں کی جلد جو اپنی نظیر آپ ہی ہے اور صاحبانِ اشتیاق کے ایک طویل انتظار کے بعد شایع کی جا رہی ہے ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ قیمت صرف ۶؍